۸۲واں باب

اہلِ مکہ کو عذابِ الٰہی کی وارننگ

سُوۡرَۃُ ھُوۡد

۵۰۲	نبیوں کی ناقدری کے جرم میں اللہ تعالیٰ کا عذاب
۵۰۳	مجھے اہلِ مکہ کے لیے ایک ہول ناک عذاب کا خوف ہے [رسولِ کریم ﷺ]
۵۰۴	منکرین، محمد ﷺ کا چہرہ دیکھنے کی نہ تاب رکھتے ہیں نہ خواہش!
۵۰۷	نبی ﷺ نے غور وفکر سے نبوت سے قبل ہی توحید کی حقیقت کو پالیا تھا
۵۰۹	حق و باطل کی کش مکش میں برسرِپیکار دو گروہ
۵۱۳	نوح علیہ السلام کی قوم کی طرف عذاب بڑھتا ہے
۵۱۴	نوح علیہ السلام اپنے مشرک بیٹے کے لیے دعا کر کے نادم ہوتے ہیں
۵۱۶	اے محمد [ﷺ] اِن غیب کے امور سے تم واقف نہ تھے
۵۱۶	دینی کاموں پر نبی اپنی قوم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا
۵۱۷	قوم عاد پر ایک منحوس ہوا کا عذاب ٹوٹ پڑا
۵۱۸	قومِ ثمود کے سامنے صالح علیہ السلام کی وہی ایک دعوت توحید
۵۲۰	ایک کڑک دار دھماکے کا عذاب ہی ثمود کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھا
۵۲۱	ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بھتیجے لوط علیہ السلام کا سبق آموز تذکرہ
۵۲۳	عذاب کے فرشتوں کی لوطؑ کی بستی میں آمد
۵۲۴	نبی کو اتنا ستایا گیا کہ وہ عذاب کے لیے جلدی کرنے لگا
۵۲۵	شعیب علیہ السلام اللہ کی بندگی کے ساتھ امور کاروبار کی اصلاح کی آواز اُٹھاتے ہیں
۵۲۶	شعیبؑ کیا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے؟
۵۲۸	شعیب علیہ السلام منکرین کو عذاب کی دھمکی دیتے ہیں
۵۳۰	قریش کو عذاب کی دھمکی
۵۳۱	اہلِ ایمان کو بنی اسرائیل کی مانند اختلاف اور نافرمانی سے بچنے کی ہدایت

۸۲واں باب

اہلِ مکہ کو عذابِ الٰہی کی وارننگ

۸۵: سُوْرَۃُ هُوْد [۱۱-۱۱:یعتذرون ۱۲:وما من دآبۃ]

نبوت کا گیارہواں سال اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے، وہی ہونے والا ہے جس کا مؤمنین کو خوف ہے، ابھی تک واضح طور پر مؤمنین کو مکہ چھوڑ دینے کا حکم نہیں ملا ہے، جس طرح کا حکم نبیوں کی مکذّب قوموں پر عذاب سے پہلے، مؤمنین کو شہر خالی کرنے کے لیے ملتا ہے، تاہم ایک دھڑکا ہے جو لگا ہوا ہے کہ قوم مان کر نہیں دے رہی، نہ جانے کب عذاب کا صور/سائرن گونج اُٹھے۔ نبی ﷺ اسی غم میں اپنی صحت کو متاثر کر رہے ہیں۔ جبریلِ امینؑ آگئے ہیں وہ آج عرش سے ایسا سخت پیغام لائے ہیں کہ پہلے کبھی نہیں آیا۔ رحمتِ عالم بھی کانپ کانپ گئے ہیں، آج سُوْرَۃُ هُوْد نازل ہوئی ہے۔ اس کا موضوعِ تقریر وہی ہے جو گزشتہ باب میں زیرِ مطالعہ سُوْرَۃُ یُوْنُس کا تھا، مگر تنبیہ اور انداز ابہت زیادہ سخت ہے۔

نبیوں کی ناقدری کے جرم میں اللہ تعالیٰ کا عذاب

سُوْرَۃُ هُوْد کے مطالعے سے قبل، اُس وقت کی صورتِ حال پوری ذہن میں ہونی ضروری ہے اور ساتھ ہی یہ جاننا بھی کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بھی کہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے اور اس کی اتباع نہ کرنے کے جرم میں ہر مجرم قوم کو ہمیشہ سخت سزا اور عذاب سے دوچار ہونا پڑا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح علیہ السلام پر عذاب بھیجا تو اُس کی غرقابی اور ہلاکت بیان کر کے فرمایا: یہ ہمارا انتقام تھا، اُس شخص [نوحؑ] کی تکریم کی خاطر جس کی ناقدری کی گئی تھی [جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ. سُوْرَۃُ الْقَمَر آیۃ ۱۴]............ لیکن نبی کی موجودگی ہمیشہ قوم کے لیے باعثِ برکت رہی ہے کیوں کہ وہ اللہ کے سامنے اپنی قوم کا سفارشی اور اُس کو مہلت ملنے کا سب سے بڑھ کر ملتجی ہوتا ہے، حال ہی کا وہ چند ماہ قبل کا واقعہ بھی آپ کی نظروں میں ہوگا کہ قوم کی ساری ناقدری کے باوجود وہؐ اُس کے لیے دعا گو رہتا ہے، طائف سے ناقدری کا شکار ہو کر واپسی میں قرن المنازل کے قریب جبرئیلؑ تشریف لاتے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں کہ تالیوں کی تھاپ اور گالیوں کی بوچھاڑ میں پتھر مارنے والوں سے، اگر آپ پسند فرمائیں تو انتقام لیا جائے، میرے ہم راہ پہاڑوں کے منتظم فرشتے کو حکم

دیں کہ وہ اللہ کے اذن سے اہلِ طائف کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر ہلاک کردے۔ رحمت العالمین ﷺ اہلِ طائف کی آنے والی نسلوں سے امید رکھتے ہیں کہ شاید وہ ایمان لائیں اور اہلِ طائف کے لیے یہ عذاب پسند نہیں فرماتے اور آنے والا عذاب ٹل جاتا ہے۔

اِن حالات کے پسِ منظر میں اس سورۃ کا مطالعہ کرتے ہوئے اُس حدیث کو یاد رکھیے کہ جس کے مطابق رفیقِ خاص سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میں دیکھتا ہوں کہ آپؐ بوڑھے ہوتے جارہے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا شَیَّبَتْنِی هُود و اَخواتها، مجھ کو سُوْرَۃُ هُوْد اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ نبی کی یہ کیفیت کہ اللہ کی جانب سے دھمکیاں سن کر قوم پر عذاب کے ڈر سے اُس کی صحت اس درجے کو پہنچ جائے وہ ۵۱ برس کی عمر میں بوڑھا نظر آنے لگے، قوم کے ساتھ اُس کی حد درجہ محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سُورۃ کو پڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ جیسے دورانِ جنگ ایک ملک پر اٹامک بمباری کا خدشہ ہے اور سائرن چیخ چیخ کر آخری اطلاع دے رہے ہیں کہ لوگ تاب کاری سے محفوظ بنکرز میں گھس جائیں [ایمان لے آئیں]۔

مجھے اہلِ مکہ کے لیے ایک ہول ناک عذاب کا خوف ہے [رسولِ کریم ﷺ]

اس سورۃ کا آغاز ہی اس کے اُٹھان کا آینہ دار ہے، آپ حیرت انگیز طور پر دیکھیں گے کہ کسی تمہید کے بغیر گزشتہ دس سال کی ساری دعوت کا خلاصہ اور وہ دھمکی جو اس سورۃ کا مرکزی مضمون ہے پہلے ہی چار جملوں کے پیرے میں بیان کر دی گئی ہے۔ ذرا توجہ سے پہلی چار آیات کی تلاوت فرمائیں۔

الر كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ﴿١﴾ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنَّنِي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ﴿٢﴾ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿٣﴾ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤﴾ ....

اس کے مفہوم کو ہم دو مرتبہ مطالعہ کریں گے تاکہ دیکھ سکیں کہ دعوت کے کن کن موضوعات کو یہ سطور چھو رہی ہیں۔ خاص طور پر عذاب کی وعید۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ الر ۔ یہ فرمانِ الٰہی ہے ،اِس کی آیتیں محکم اور پُختہ ہیں جنھیں ایک دانا اور باخبر ہستی نے کھول کر بیان کیا ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا۔اے محمدؐ لوگوں سے کہیے کہ میں اللہ کی طرف سے تم کو آگاہ کرنے والا بھی ہوں اور خوش خبری دینے والا بھی۔اور یہ کہ لوگو! اپنے رب سے معافی چاہو اور شرک اور گناہوں سے آلود زندگی ترک کر کے اُس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ تم کو تمھاری وفات تک عمدہ سامانِ زندگی دے گا اور فضل کے ہر حق دار کو اس کا فضل عطا کرے گا لیکن اے میری قوم اگر تم میری پکار سے منہ موڑتے ہو تو میں تمھارے بارے میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تم سب کو اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے اور وہ سب کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ .... مفہوم آیات ۱تا۴

ذیل میں دی گئی سطور میں آیات کے مفہوم کے ہر جز کے آگے بریکٹس میں نبی ﷺ کی گزشتہ دس سالہ دعوت کے بنیادی عنوانات کو لکھ دیا ہے ، جو یہ ہیں: ایمان بالکتاب، توحید اُلوہیت، ایمان بالرسالت،انکارِ جاہلیت،بشارت،انذار اور ایمان بالآخرۃ] ۔

یہ فرمانِ الٰہی ہے ،اِس کی آیتیں محکم اور پُختہ ہیں [ایمان بالکتاب] جنھیں ایک دانا اور باخبر ہستی نے کھول کر بیان کیا ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا [توحید اُلوہیت]۔اے محمدؐ لوگوں سے کہیے کہ میں اللہ کی طرف سے تم کو آگاہ کرنے والا بھی ہوں اور خوش خبری دینے والا بھی [ایمان بالرسالت]۔ اور یہ کہ لوگو! اپنے رب سے معافی چاہو اور شرک اور گناہوں سے آلود زندگی ترک کر کے اُس کی طرف پلٹ آؤ [انکارِ جاہلیت] تو وہ تم کو تمھاری وفات تک عمدہ سامانِ زندگی دے گا اور فضل کے ہر حق دار کو اس کا فضل عطا کرے گا [بشارت] لیکن اے میری قوم اگر تم میری پکار سے منہ موڑتے ہو تو میں تمھارے بارے میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں [انذار]۔تم سب کو اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے اور وہ سب کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے [ایمان بالآخرۃ]۔

منکرین، محمد ﷺ کا چہرہ دیکھنے کی نہ تاب رکھتے ہیں نہ خواہش!

اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکین کی جہالت اور اِن کی گمراہی میں شدت کے باعث اُن کے مزاجوں میں اور روّیوں میں آنے والی تبدیلی کے بارے میں آگاہ فرما رہے ہیں۔ کہاں آج سے ۱۲/۱۳ سال قبل وہ صادق اور امین کہلایا جانے والا ، جسے سارے قریش نے خوشی کے ساتھ حجرِ اسود کو اُس کے مقام پر رکھنے کے لیے صادق و

امین کے نعرے لگا کر بخوشی تسلیم کیا تھا، آج وہ اُس کا چہرہ دیکھنے کی نہ تاب رکھتے تھے نہ خواہش! آپؐ کو دیکھ منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔

آنے والی آیات میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے والوں اور آپؐ کی دعوت سے غافل لوگوں کے اعراض کا ذکر کرتا ہے یعنی جب وہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہیں تو شدتِ اعراض کی وجہ سے اپنے منہ چھپالیتے اور سینوں کو موڑ لیتے ہیں، تاکہ آپؐ اِن کو دیکھ سکیں نہ اِن کو اپنی بات سُنا سکیں اور نہ اِن باتوں کی نصیحت کر سکیں جو اِن کے لیے مفید ہیں۔ کیا اس اعراض سے بھی بڑھ کر اعراض کی کوئی صورت ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ انھیں وعید سُناتا ہے کہ وہ ان تمام احوال کو جانتا ہے اور وہ اس سے مخفی نہیں ہے اور وہ عنقریب اِن کو اِن کے کرتوتوں کی سزا دے گا، اُس کے پاس ایک رجسٹر میں ہر چیز درج ہے۔

ذرا انھیں دیکھو، نبیؐ سے سامنا ہو جائے تو یہ منکرین اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ چھُپ جائیں اور [پر رعب و پر نور صداقت کی دلیل والے چہرے کا] سامنا نہ ہو۔ جان لو کہ یہ لوگ جب چھپنے کے لیے چادروں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں، اللہ اُس وقت اُن کے کُھلے اور چھُپے ہر حال کو جانتا ہے، وہ تو سینوں میں پوشیدہ خیالات اور ارادوں سے بھی واقف ہے۔ زمین میں چلنے والا کوئی ذی حیات ایسا نہیں ہے جس کا رزق [ہوا، پانی، کھانا اور دیگر تمام ضروریات] اللہ کے ذمّے نہ ہو اور جس کے بارے میں یہ عِلم نہ ہو کہ کہاں وہ جیتا رہتا ہے اور کہاں وہ مرتا کھپتا [dispose] ہے، ہر چیز ایک رجسٹر میں درج ہے۔ .... مفہوم آیات ۵تا۶

پوچھتے ہیں عذاب کب آئے گا ....بتاؤ، آئے گا تو ٹالے نہ ٹلے گا!

اگلی دو آیات کا موضوع اِن کا رسول کو جھٹلانا ہے۔ وہ اِن پر عذاب کے فوری طور پر نہ آنے کو رسول ﷺ کے جھوٹا ہونے پر دلیل بناتے ہیں، جنھوں نے اللہ کی ہدایت پر اِن کو عذاب واقع ہونے کی وعید سُنائی ہے پس یہ کتنا غلط و بعید استدلال ہے! خاص طور پر اس تناظر میں کہ رسولؐ خود اِن پر آنے والے عذاب کے ڈر سے کانپ رہا ہے اور ہر دم اِن کے ایمان لانے کا منتظر ہے اور عذاب کے ٹل جانے کی دعا کر رہا ہے۔ ﷺ ﷺ ﷺ

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ جب کہ اس کائنات کی تخلیق سے قبل اُس کا عرش پانی پر تھا [ساتویں آسمان کے اوپر] یہ ساری تخلیق اس لیے ہے کہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اب اے محمدؐ،

تم جوں ہی اِنھیں ہماری آیات کے ذریعے یاد دلاتے ہو کہ مرنے کے بعد تم دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے تو کفار فوراً بول اُٹھتے ہیں کہ یہ [تلاوتِ آیات] تو کھلی جادو گری ہے۔اور اب اگر ہم ایک پہلے سے مقرر مُدّت کے لیے ان کی سزا کو ٹالے ہوئے ہیں تو ظلم و جہالت کی بنا پر کہتے ہیں کہ آخر کس چیز نے عذاب کو روک رکھا ہے؟ سُنو! جس دن وہ اُن پر آدھمکے گا تو ان سے ٹالے نہ ٹلے گا اور جس عذاب کا یہ لوگ مذاق اُڑا رہے ہیں وہی ان کو گھیر لے گا۔ .... مفہوم آیات ۷تا۸

اللہ تبارک و تعالیٰ انسان کی فطرت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے:

انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اُس کو ہم اپنی کسی رحمت سے نوازنے کے بعد جب محروم کر دیتے ہیں تو وہ دل شکستہ ہو کر ناشکری پر اُتر آتا ہے۔اور دوسری جانب اسی طرح جب اُس پر آئی مصیبت کے بعد ہم اُسے رحمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے میری تو ساری مصیبتیں دور ہوئیں، پھر وہ پھُولا نہیں سماتا اور اکڑنے اور شیخی بگھارنے والا بن جاتا ہے۔اس معیوب روّیے سے اگر کچھ لوگ بچے ہیں تو بس وہ صاحبانِ ایمان لوگ ہیں جو صبر کرنے والے اور نیکوکار ہیں اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں مغفرت بھی ہے اور بڑا اجر بھی ہے۔ .... مفہوم آیات ۹تا۱۱

اللہ تعالیٰ کفار کی تکذیب پر اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے:

کفار کے ناروا اعتراضات اور پیہم تنگ کرنے سے اے پیغمبرؐ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اُن باتوں میں سے کسی بھی بات کو بیان کرنے سے رہ جاؤ جو تمھاری طرف وحی کی جا رہی ہیں۔اور اس خیال سے آپ کا دل تنگ ہو کہ یہ کافر کہنے لگیں کہ اِس شخص پر کوئی خزانہ کیوں نہ اُتارا گیا یا اِس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ حقیقت میں تم تو لوگوں کو اچھے اور بُرے انجام سے محض ایک آگاہ کرنے والے ہو، آگے ہر چیز اللہ کے حوالے اور اُسی کے اختیار میں ہے۔[آیہ ۱۲]

یہ کیسی فضول بات کہتے ہیں، کہ رسالت کے دعوے دار نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے! اِن سے کہو اگر تم سچے ہو اور یہ بات ممکن ہے تو اِس معیار کی دس سُورتیں تم گھڑ کر لے آؤ اور ایک اللہ کے سوا اور جن جن کو مدد کے لیے بُلا سکتے ہو [خاص طور سے اپنے معبودوں کو] تو بُلا لو۔ پس اگر وہ تمھاری بات قبول نہ کریں یعنی وہ اس کا جواب نہ دیں تو جان لو کہ یہ کتاب اللہ کے عِلم سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ پھر کیا تم نبیؐ کی پیش کردہ بات کو تسلیم کرتے ہو[۲۹۱]؟ .... مفہوم آیات ۱۲تا۱۴

---

۲۹۱ اِن آیاتِ کریمہ میں اس امر کی طرف رہ نمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کے لیے مناسب نہیں کہ دعوت پر اعتراض کرنے والے معترضین کے اعتراضات اور ردّ و قدح کی بنیاد پر دعوت

اے پیغمبر انھیں سمجھایئے کہ جو لوگ بس اِسی دُنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہوتے ہیں اُن کی محنتوں اور دوڑ دھوپ کا بھرپور پھل اُن کو ہم یہیں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ مگر ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہاں پہنچ کر اُنھیں معلوم ہو گا کہ جو کچھ انھوں نے دُنیا میں کمایا اور بنایا وہ سب ملیامیٹ ہو گیا اور اب ان کی ساری زندگی کا حاصل محض باطل [پچھتاوا بھری یادیں] ہے............ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ اِن دنیا پرستوں کی طرح قلب سلیم رکھنے والا شخص بھی قرآن کی دعوت کا انکار کر دے! ۔ مفہوم ۱۵ تا ۱۶

نبی ﷺ نے غور و فکر سے نبوت سے قبل ہی توحید کی حقیقت کو پا لیا تھا

پہلی وحی سے قبل یعنی نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے کبھی نبی ﷺ کو یہ گمان تک نہ تھا کہ آپ کو اللہ کی جانب سے کوئی کتاب ملنے والی ہے، آپ سرے سے کتبِ آسمانی اور ان کے مضامین کے متعلق کچھ جانتے ہی نہ تھے جیساکہ پچھلے سال سُورَةُ الشُّورىٰ میں فرمایا گیا تھا: وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۴۲:۵۲﴾ اور اِسی طرح (اے محمدؐ) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمھاری طرف وحی کی ہے۔ تمھیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے، مگر اُس رُوح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہو۔ [ترجمہ تفہیم سے]

جس طرح ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو نورِ فطرت سے شرک سے بے زاری اور ایک خالق کائنات کا ادراک حاصل ہوتا ہے آپ کو بھی اللہ پر ایمان تو ضرور حاصل تھا، مگر اللہ کا یہ فرمان کہ: مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نہ شعوری طور پر اس تفصیل سے واقف تھے کہ انسان کو اللہ کے متعلق کیا کیا باتیں ماننی چاہییں، اور نہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ اس کے ساتھ ملائکہ اور نبوت اور کتبِ الٰہی اور آخرت کے متعلق بھی بہت سی باتوں کا ماننا ضروری ہے۔

دین سے رک جائے، خاص طور پر جب کہ اس ردّ و قدح پر کوئی دلیل نہ ہو اور دعوت میں کوئی خامی بھی نہ ہو۔ نیز یہ کہ داعی کو تنگ دل نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے اپنی دعوت پر مطمئن ہونا چاہیے، وہ اپنے راستے پر گامزن رہے اور اپنی منزل کو سامنے رکھے

اب یہی بات اگلی آیت میں کہی جارہی ہے کہ حق و باطل کی اس کش مکش میں محمدؐ اور قلبِ سلیم رکھنے والے اُس کے ساتھیوں جیسے لوگ تو اس قرآن پر ایمان ہی لائیں گے کیوں کہ اُن کا نورِ فطرت اور اُن کی عقلِ سلیم شرک کے ابطال اور توحید کی حقانیت کی طرف رہ نُمائی کرتی ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ مؤمنین حق کے غلبے کے بارے میں کسی بے یقینی میں نہ رہیں اس کا غلبہ تمھارے رب پر واجب ہے چاہے حالات کتنے ہی ناسازگار نظر آتے ہوں۔

یہ شخص [۲۹۲] [رسول اللہؐ] جو اپنے رب کی طرف سے توحید پر قلب و ذہن میں آفاق و انفس پر غور فکر کے ذریعے ایک واضح

۲۹۲ جیسا کہ اوپر بیان کیا، یہاں أَفَمَن كَانَ میں 'شخص' سے اغلباً مراد نبی ﷺ اور آپ کی متابعت میں تمام اہلِ ایمان بھی ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مِن رَّبِّهِ میں ضمیر ایک صاحبِ ایمان شخص کی جانب ہے جو اپنی پاکیزگی فطرت کی بنا پر توحید کی طرف میلان اور شرک سے بیزاری کا رجحان رکھتا ہے، پھر قرآن نے گواہی دی [رہ نُمائی مہیا کی] جب کہ موسیٰؑ پر نازل شدہ کتاب پہلے ہی توحید اور آخرت پر گواہ تھی۔ کہنا یہ ہے کہ ایسا شخص کیوں کر دنیا پرستوں کی مانند قرآن کا انکاری ہو سکتا ہے۔ جب ہم شخص سے مراد رسول اللہ ﷺ لیتے ہیں تو گواہی جبریلِ امین کی بنتی ہے جو آپ پر اللہ کی جانب سے قرآن لائے، کتابِ موسیٰؑ [تورات] تو پہلے ہی سے توحید و آخرت پر گواہ تھی۔ کہنا یہ ہے کہ آخر نبی ﷺ اور آپ کے متبعین کیوں کر دنیا پرستوں کی مانند قرآن کے انکاری ہو سکتے ہیں۔ مزید بر آں یہاں أَفَمَن كَانَ میں مراد نبی ﷺ کے ہونے کا اس لیے بھی قرینہ بنتا ہے کہ اسی سورہ مبارکہ میں آگے آیات ۲۸، ۶۳ اور ۸۸ میں نوح علیہ السلام، صالح علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کا قوم سے مکالمہ درج ہے اور یہ تینوں عظیم پیغمبر اسی أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ کے مترادف الفاظ اپنی ذات کے لیے استعمال کرتے ہیں:

- **نُوحٌ**؛ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِ.... ﴿۱۱:۲۸﴾
- **صَالِحٌ**؛ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً......... ﴿۱۱:۶۳﴾
- **شُعَيْبٌ**؛ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا. ﴿۱۱:۸۸﴾

یوں تینوں پیغمبر ایک ہی بات کہتے ہیں کہ میں تو نورِ فطرت پر تھا، شرک سے بے زار اور بہت دور، مزید میرے اوپر انعام یہ ہوا کہ مجھے میرے رب نے وحی اور نبوت سے نوازا۔ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ

دلیل رکھتا ہے، اس کے بعد روح الامین نے پروردگار کی طرف سے اُس کے سینے پر قرآن کو بھی گواہ بنادیا ہو اور موسیٰؑ کی کتاب تو پہلے ہی سے رہنما اور رحمت کے طور پر موجود تھی............اب یہ بات صاف ہے کہ محمدؐ اور قلبِ سلیم رکھنے والے اُس کے ساتھیوں جیسے لوگ تو اس قرآن پر ایمان ہی لائیں گے اور انسانی گروہوں میں سے جو کوئی اِس کا انکار کرے تو اُس کے لیے دوزخ کا پکا وعدہ ہے۔ پس اے پیغمبرؐ، تم اس چیز [قرآن یا دعوتِ ایمان کی کام یابی] کی طرف سے کسی بے یقینی میں نہ رہنا، یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔........ مفہوم آیت ١٧

حق و باطل کی کش مکش میں برسرِ پیکار دو گروہ

اگلی آیات میں اہلِ ایمان موحدین اور اُن کے مقابل جاہلیت کے مارے مشرک مخالفین کے ذہنی سانچے کے ساتھ اُن کے انجام کو بھی بیان کیا جا رہا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پچھلی آیات میں واضح کی گئی حقیقت کا صحیح استحضار ہو کہ رسول اور اُس کے ساتھی جو ایمان لائے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے نورِ فطرت پر قائم قلوب اور عقل سلیم نے گواہی دی اور وہ ایمان لے آئے مگر جن کے قلوب کو دنیا پرستی

جملے اِن انبیاء ہی کے ہیں، چناں چہ جب آیہ زیرِ بحث میں یہی بات بس ذرا دوسرے انداز سے آجائے تو اُسے کیوں کر ہم ایک عام اہلِ ایمان شخص کے لیے اِس کو مانیں، کیوں نہ اس کو صاحب الصلوٰۃ والتسلیم رسول اللہ ﷺ کے لیے سمجھیں۔ سید مودودیؒ تفہیم القرآن میں اس سورہ کے حاشیہ ١٩ میں لکھتے ہیں:" سلسلۂ کلام کے لحاظ سے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو پر اور اس کی خوش نمائیوں پر فریفتہ ہیں اُن کے لیے تو قرآن کی دعوت کو رد کر دینا آسان ہے۔ مگر وہ شخص جو اپنی ہستی اور کائنات کے نظام میں پہلے سے توحید و آخرت کی کھلی شہادت پا رہا تھا، پھر قرآن نے آکر ٹھیک وہی بات کہی جس کی شہادت وہ پہلے سے اپنے اندر بھی پا رہا تھا اور باہر بھی، اور پھر اس کی مزید تائید قرآن سے پہلے آئی ہوئی کتاب آسمانی میں بھی اسے مل گئی، آخر وہ کس طرح اتنی زبردست شہادتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اِن منکرین کا ہم نوا ہو سکتا ہے؟ اس ارشاد سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نزولِ قرآن سے پہلے ایمان بالغیب کی منزل سے گزر چکے تھے۔ جس طرح سورۂ انعام میں حضرت ابراہیم کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ نبی ہونے سے پہلے آثارِ کائنات کے مشاہدے سے توحید کی معرفت حاصل کر چکے تھے، اسی طرح یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ نبی ﷺ نے بھی غور و فکر سے اس حقیقت کو پا لیا تھا اور اس کے بعد نہ صرف وحی الٰہی نے اِس حقیقت کی تصدیق و توثیق کی بلکہ قرآن نے آکر آپؐ کو حقیقت کا براہِ راست علم بھی عطا کر دیا۔"

اور اَنا پرستی نے زنگ آلود تو ضرور کر دیا تھا مگر اُن کے ضمیر کو اور اُن کے نفسِ لوّامہ کو اتنا مُردہ نہ کیا تھا کہ وہ توحید کی دعوت پانے کے بعد بھی تادیر باطل پر ہی اڑے رہتے، سو وہ اہلِ ایمان کے زمرے میں آتے چلے گئے ہیں۔ یہ کش مکش جیسے جیسے آگے بڑھے گی جس جس کے قلب پر سے اِن آیات کی تلاوت سے یہ زنگ دُھلتا جائے گا وہ باطل کے کیمپ سے کٹ کر توحید کے کیمپ میں جمع ہوتا جائے گا۔

اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے [۲۹۳]۔ یہ لوگ جب اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے تو گواہی دینے والے [اعمال کی نگہ داشت و ریکارڈ کرنے والے فرشتے] شہادت دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا۔ آگاہ رہو، ایسے افترا پردازوں پر اللہ کی لعنت ہے جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اُس کے دین کو اپنے خود ساختہ نظریات سے آلودہ کر کے ٹیڑھا کر دیں یہی ظالم آخرت کے انکاری ہیں۔

.... مفہوم آیات ۱۸تا۱۹

اللہ کے یہ باغی لوگ زمین میں اللہ کو عاجز کرنے کی نہ طاقت رکھتے تھے اور نہ ہی اللہ کے مقابلے میں اِن کا کوئی حامی و مدد گار تھا۔ پس دنیا کی امتحان گاہ میں انھیں گمراہی اختیار کرنے اور اپنی افترا پردازیوں سے دوسروں کو گم راہ کرنے کے سبب دُہرا عذاب دیا جائے گا۔ بغاوت و طغیان میں حد سے گزر جانے کے سبب وہ حق کی بات نہ سُن سکتے تھے اور نہ ہی اُنھیں کوئی بصیرت تھی۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنا نقصان کیا اور وحی کی ہدایت کے مقابل وہ سب کہانیاں اور فلسفے جو اُنھوں نے گھڑے تھے کافور ہو جائیں گے۔ بلاشبہ یہ بات حق اور سچ ہے کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان میں رہیں گے۔

.... مفہوم آیات ۲۰تا۲۲

اِن ناہنجاروں کے بر خلاف وہ لوگ جو اپنے دل سے ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کیے اور زندگی بھر اپنے رب کے سامنے جھکے رہے، وہ کام یاب و کام ران جنّت والے ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ زمین پر بسنے والے اِن دو مقابل انسانی گروہوں کی مثال اندھوں اور بہروں [بدبختوں] کے مقابل دیکھنے اور سُننے والوں [سعادت مندوں] کی ہے، کیا یہ

---

۲۹۳ اللہ سے وہ بات منسوب کرے جو اللہ نے نہ کہی ہو مثلاً یہ کہ اللہ نے انبیاء اور صلحا کو بے قید شفاعت کے اختیارات دیے ہیں یا یہ کچھ زندہ یا مُردہ، نیک یا بد انسانوں کے بارے میں کہا کہ اللہ نے اُن کو زندگیوں اور کائنات کے معاملات میں بلا اسباب تصرف کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اسی طرح اُس کی کتاب سے اپنے من پسند معانی نکالنا اور زبردستی سوشلزم، لبرل ازم، سیکولر ازم اور ڈیمو کریسی وغیرہ کو اللہ کی کتاب سے ثابت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

دونوں گروہ انجامِ کار یکساں ہو سکتے ہیں؟ اے کتابِ الٰہی کے منکرو، کیا تمھاری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی؟ ....
.... مفہوم آیات ۲۳تا۲۴

نوح علیہ السلام کی دعوتِ حق کی سرگزشت

لوگو سنو! تاریخ کی گزرگاہوں میں جب بھی ہمارے پیغمبر آئے تو مخاطبین نے اِسی طور اُن کی ناقدری کی، جھٹلایا اور ستایا اور اُن کے ساتھ ناروا روّیہ اختیار کیا، جس طرح کا روّیہ آج مکہ میں سردارانِ قریش اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اے محمدؐ ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف اوّلین رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اُس نے لوگوں کو بتایا کہ میں تم لوگوں کو بغیر کسی لاگ لپیٹ کے وضاحت سے آگاہ کرنے والا ہوں۔ خبردار، اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، اگر تم میری اطاعت نہیں کرتے تو مجھے تم پر ایک روز دردناک عذاب آپڑنے کا اندیشہ ہے۔ اس خیر خواہی پر اُس کی قوم کے اشراف اور رؤساء نے آپ کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے کہا کہ ہم تو تم کو بس اپنے ہی جیسا ایک بشر پاتے ہیں اور تمھاری اوقات اس کے سوا ہمارے سامنے کیا ہے کہ ہماری قوم کے نچلے لوگوں ہی نے بس، بے سوچے سمجھے تمھاری پیروی اختیار کرلی ہے۔ شرف و مرتبے، مال و دولت؛ کوئی چیز بھی تو تم میں ایسی نہیں پاتے کہ جس میں تم لوگوں کو ہم پر بڑائی حاصل ہو، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہم تو تمھیں جھوٹا جانتے ہیں[۲۹۴]........................ مفہوم آیات ۲۵تا۲۷

نوحؑ نے اُن کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اے برادرانِ قوم، ذرا سوچو کہ اگر میرے رب نے میری فطرت و طبیعت میں توحید کو بیّن کیا پھر وحی اور نبوت کی اپنی خاص رحمت سے بھی نواز دیا جو تمھاری بے بصیرتی کے سبب تم پر آشکار نہیں تو میں کیوں کر زبردستی اس کو تمھارے دماغ میں بٹھادوں جب کہ تم ماننا ہی نہ چاہو!! .... مفہوم آیت ۲۸

اور اے برادرانِ قوم، میرے اِخلاص کی دلیل یہ ہے کہ میں اِس خبرداری اور ابلاغ پر کسی مال کا یا کسی بھی نوع کی اجرت کا طلبگار[۲۹۵] نہیں ہوں، میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمہ ہے۔ اور میں ان لوگوں کو تو دھتکارنے سے رہا جو ایمان لائے ہیں، یہ

---

۲۹۴ اُنھوں نے اس بارے میں جھوٹ بولا تھا، کیوں کہ وہ ایسی نشانیاں اور معجزات دیکھ چکے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کی تائید کے لیے نازل فرمایا تھا جو آپ کی صداقت پر قطعی یقین فراہم کرتی تھیں۔

۲۹۵ دلوں کے حال پر ہی آخرت میں کامیابی اور ناکامی کا مدار رہا ہے، زبان سے ایمان کے اقرار کے مقابلے میں تصدیقِ قلب اور اعمال کی مقدار کے مقابلے میں اُس کی پشت پر اخلاص و نیت زیادہ مقدّم ہیں۔

اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں [۲۹۶]، اِن کے مقابلے میں، میں تم کو دعوتِ ایمان اور اہلِ ایمان سے جہالت برتتے دیکھ رہا ہوں۔ اے میری قوم کے سردارو، اگر میں تم جیسے 'بڑے لوگوں' کی خاطر اِن اللہ والوں کو دُھتکار دوں تو اللہ کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا؟ کیا تم اِن معاملات پر تدبر نہیں کرتے ؟ .... مفہوم آیات ۲۹تا۳۰

نوح علیہ السلام نے کہا کہ میرے پاس عِلم غیب کے خزانے نہیں ہیں کہ تمھارے مطالبوں پر میں تمھارے سینوں کے بھیدوں اور تمھارے 'رازِ دَروں' کے بارے میں تمھیں آگاہ کر سکوں۔

اور میں تم سے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے [بنائے ساری کائنات کے] خزانے ہیں، نہ ہی میں عِلم غیب رکھتا ہوں، نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور تمھاری مانند یہ جاہلانہ بات بھی نہیں کہہ سکتا کہ جن لوگوں کو تمھاری آنکھیں [مال و دولت اور اقتدار و مقام سے محرومی کے سبب] حقارت سے دیکھتی ہیں، اللہ نے اُنھیں کوئی فوقیت ہی نہیں دی۔ اگر میں ایسا کہوں تو ظالم ہوں گا کیوں کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے [۲۹۷]۔ .. مفہوم آیت ۳۱

جب اُنھوں نے دیکھا کہ نوح علیہ السلام اِن کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے سے باز نہیں آتے اور وہ نوح علیہ السلام سے اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے تو اُنھوں نے نوحؑ سے کہا:

آخر کار نوحؑ کی قوم نے کہا کہ " اے نُوحؑ، تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور خوب کر لیا۔ بس، اب اگر سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کی تم بار بار دھمکی دیتے رہے ہو۔ نُوحؑ نے جواب دیا اگر اللہ چاہے گا تو وہ ہی عذاب لائے گا، اور تم میں اتنا دم نہیں کہ اللہ لے آئے تو اسے لانے سے روک سکو۔ تمھاری ہٹ دھرمی اور طغیان کے سبب اللہ ہی نے تمھیں بھٹکا ہوا چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر اب تو میری خیر خواہی بھی تمھیں نہیں بچا سکتی اگر میں تمھاری کچھ خیر خواہی کرنا بھی چاہوں۔ وہی تمھارا رب ہے اور اُسی کی طرف تمھیں لوٹنا ہے۔ .... مفہوم آیات ۳۲تا۳۴

---

۲۹۶ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ یہ ایمان والے اپنے رب سے قیامت میں ملاقات کے امیدوار ہیں اور وہاں کے حساب کتاب سے لرزاں و ترساں رہ کر نیکی کی زندگی گزارتے ہیں اور اچھے انجام کے امیدوار ہیں یا پھر یہ کہ اپنے رب سے اپنے سجدوں اور عبادت گُزاری میں اُس سے ایک انداز سے راز و نیاز سے ملاقی رہتے ہیں۔

۲۹۷ یہ نوحؑ کا اپنی قوم کو اس بات سے مایوس کر دینا ہے کہ وہ کم زور اہلِ ایمان کو اپنے سے دور کر لیں گے یا اُن کو ناراض کر دیں گے۔ یہ اپنی قوم کو ایسے طریقوں سے سمجھانے کی کوشش ہے جو ایک انصاف پسند شخص کو سمجھنے پر آمادہ کرتی ہے۔

اے محمدؐ، کیا تمھاری قوم کے لوگ [اِس نوحؑ کے واقعے کے بارے میں جو سُنایا جارہا ہے] کہتے ہیں کہ تم نے سارا کچھ اُن پر چسپاں کرنے کے لیے خود اپنے دل سے گھڑ کر سنایا ہے؟ ان سے کہہ دو، کہ اگر یہ میری من گھڑت ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہے مگر انکارِ حق کا جو جرم تم کر رہے ہو میں اس سے بری ہوں [298]۔ .... مفہوم آیت ۳۵

نوح علیہ السلام کی قوم کی طرف عذاب بڑھتا ہے

اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کو بتا دیا کہ اِن کی قوم پر اللہ سخت ناراض ہے اور اُس نے اِن پر ایسے عذاب کا ناقابلِ تنسیخ فیصلہ کر لیا ہے جس کو اب ٹالا نہیں جا سکتا۔

نوحؑ پر وحی کی گئی کہ تمھاری قوم میں سے اب مزید کوئی ایمان قبول نہیں کرے گا یعنی لوگ پتھر دل ہو گئے ہیں، جو قبول کر چکے، وہ کر چکے۔ پس، ان کے کرتُوتوں پر غم کھانا چھوڑ دو اور تم ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی ہمارے رو برو بناؤ، اور دیکھو، ظالم انکاریوں کے حق میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کرنا، یہ تمام اب غرق ہو کر رہیں گے۔ ....
.... مفہوم آیات ۳۶تا ۳۷

نُوحؑ [دریا/سمندر سے بہت دور پہاڑی علاقے میں ایک بڑی] کشتی بنا رہا تھا اور قوم کے بڑے لوگوں میں سے جو کوئی اس کے پاس سے گزرتا اور اِن کو کشتی بناتے ہوئے دیکھتا تو اُس کا مذاق اُڑاتا تھا [کہ بابا یہ کشتی کہاں چلے گی؟]۔ نوحؑ اُن سے یہی کہتا کہ آج تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو سُنو، جیسے تم مذاق اڑا رہے ہو ویسے ہی ہم بھی تمھارا مذاق اڑائیں گے! جلد ہی تمھیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کون ہیں جن پر ایسا عذاب آتا ہے جو اُنھیں رُسوا کر کے رکھ دے گا اور کس پر چپک جانے والا قہر برستا ہے۔ .... مفہوم آیات ۳۸تا۳۹

[تعمیرِ جہاز اور ہنسی مذاق کا یہ سلسلہ دراز رہا] یہاں تک کہ جب ہمارا حکم [طے شدہ ساعتِ عذاب] آ گیا اور پانی کے طوفان کا تنور اُبل پڑا تو ہم نے نوح کو ہدایت کی کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے نر و مادہ دونوں کو اور اپنے اہل و عیال کو اس میں سوار کرا دو بجز ان کے جن کی نشان دہی پہلے کی جا چکی ہے، اور ان لوگوں کو بھی بٹھاؤ جو ایمان لائے ہیں اور افسوس، تھوڑے ہی لوگ نوحؑ پر ایمان لائے تھے! .... مفہوم آیت ۴۰

۲۹۸ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ اس ضمیر میں اس امر کا احتمال ہے کہ وہ نوحؑ کی طرف لوٹتی ہو جیسا کہ پورا سیّاق اِن کی قوم کے ساتھ اِن کے معاملے کے بارے میں ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ نوحؑ کی قوم کے لوگ کہتے تھے، نوحؑ نے اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کی ہے اور جھوٹ بولا ہے کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ہے اور اللہ نے اُسے یہ حکم دیا ہے کہ وہ یہ کہہ دے: قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ ۔

[پانی نے کشتی کو چھوا تو وقتِ آغازِ سفر آیا] نوحؑ نے اپنے ہم راہ چلنے والوں سے کہا کہ اِس میں سوار ہو جاؤ، اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا [ایک نا معلوم راہ پر اللہ کی حفاظت میں] چلنا بھی ہے اور اس کا [اللہ ہی کو معلوم ایک محفوظ و مناسب مقام پر] ٹھہرنا بھی، میرا رب بڑا ہی معاف فرمانے والا نہایت مہربان ہے۔ کشتی، نوح اور اُس کے ہمراہیوں کو لیے پہاڑوں کی مانند بلند موجوں کے درمیان پانی کا سینہ چیرتی چلی جارہی تھی۔ نوحؑ نے اپنے بیٹے کو جو اُس سے الگ تھا، پُکارا کہ بیٹا، ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ، کافروں کے ساتھ نہ رہو، [ورنہ اِن پر نازل ہونے والا عذاب تجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا]۔ اُس نے پلٹ کر جواب دیا" میں ابھی کسی پہاڑ پر پناہ لیتا ہوں جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوحؑ نے کہا آج کوئی چیز اللہ کے عذاب سے پناہ دینے والی نہیں ہے سوائے اِس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے۔ [یہ مکالمہ جاری تھا کہ] اس اثنا میں پانی کی ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہو گئی اور وہ بھی غرق ہونے والوں میں ہو کر رہا۔ .... مفہوم آیات ۴۱تا۴۳

جب اللہ تعالیٰ نے منکرین کو سیلاب میں غرق کر دیا اور نوحؑ اور اُن کے ساتھیوں کو بچا لیا تو اُس کے حکم سے آسمان تھم گیا۔ جھٹلانے والوں کی ہلاکت اور اہلِ ایمان کی نجات کا اعلان کر دیا گیا۔

اور زمین سے کہا گیا کہ اپنا سارا پانی نگل جائے اور آسمان سے کہ برسنا بند کر دے چناں چہ پانی زمین میں جذب ہو گیا، فیصلہ چکا دیا گیا، اور کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی، اور اعلان کر دیا گیا کہ شرک کے مارے ظالموں پر ہمیشہ کے لیے اللہ کی پھٹکار ہے! .... مفہوم آیت ۴۴

نوح علیہ السلام اپنے مشرک بیٹے کے لیے دعا کر کے نادم ہوتے ہیں

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے بے لاگ انصاف کا ایک عظیم مظاہرہ ہے جو تین انداز سے مؤمنین کی تربیت کرتا ہے

خونی رشتوں کے مقابل ایمان افضل ہے: اوّلاً یہ کہ حق و باطل کی کش مکش میں ایمان کا رشتہ افضل ہوتا ہے اور خونی رشتے ثانوی ہوتے ہیں۔ باپ ہو [جیسا کہ ابراہیمؑ کے باپ کا معاملہ تھا] یا بیٹا [جیسا کہ نوحؑ کے بیٹے کا معاملہ تھا] یا بیوی [جیسا کہ لوطؑ کی بیوی کا معاملہ تھا] کوئی بھی ایمان سے زیادہ عزیز نہیں، اِن سب کو اللہ کے لیے قربان کیا جا سکتا ہے، اِن کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

نبیوں اور ولیوں کو بے قید شفاعت کا اختیار نہیں: دوم یہ کہ نبیوں یا اللہ کے کسی مقرب بندے یا ولی کی مجال نہیں کہ اپنے کسی رشتہ دار یا دوست یا کسی بھی شخص کو جس سے وہ دنیا میں کسی بھی وجہ سے تعلق رکھتے ہوں، اللہ کی پکڑ سے بچا سکیں یا اللہ کے سامنے شفاعت کے لیے منہ بھی کھول سکیں، اگر غلطی سے اُن کے لیے کسی رحم یا استغفار کی دعا کر لیں تو اُن کا روّیہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ سے معافی چاہتے ہیں جیسا کہ نوحؑ اور

ابراہیمؑ دونوں نے اپنے رب سے معافی چاہی۔ایک نے اپنے مشرک بیٹے اور دوسرے نے اپنے مشرک باپ کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرنے پر۔

میدانِ جنگ میں رشتوں کا لحاظ نہیں: سوم یہ کہ دعوت میں جب تک فہمایش جاری ہے مشرک باپ بیٹوں یا بیوی کے ساتھ ایک مہلت وقت کے لیے رہا جا سکتا ہے مگر جب ہجرت کا وقت آجائے یا اللہ کے عذاب کے آثار پیدا ہو جائیں تو اِن کا چھوڑنا لازمی ہے اور اگر یہ مسلح ہو کر اہلِ ایمان پر حملہ آور ہوں تو جس طرح غزوہ بدر میں صحابہ اکرامؓ نے لشکرِ کفار میں شریک اپنے عزیزوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا، وہی معاملہ کرنا ہوتا ہے۔

[دورانِ سفر، جس وقت نوحؑ کا بیٹا غرق ہو رہا تھا] نُوحؑ نے اپنے رب کو پکارا۔ کہا کہ اے پروردگار، میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہی ہے اور بلاشبہ تیرا وعدہ[۲۹۹] پکا ہے اور تُو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے۔جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نُوحؑ، وہ تیرا اہل نہیں ہے، وہ تو نہایت نابکار ہے، لہٰذا تُو اُس بات کی مجھ سے دُعا نہ کر جس کی حقیقت تُو نہیں جانتا، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں کی طرح نہ بن۔ نُوحؑ اپنی دعا پر سخت نادم ہوئے اور عرض کی کہ اے میرے رب، میں اِس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ چیز تجھ سے طلب کروں جس کا مجھے عِلم نہیں۔پس اگر تُو مجھے میری غلطی پر معاف نہ کرے اور رحم نہ فرمائے تو میں تو بالیقین برباد ہوا[۳۰۰]۔ .... مفہوم آیات ۴۵ تا ۴۷

---

۲۹۹ جو تو نے میرے گھر والوں کو بچانے کا کیا تھا۔

۳۰۰ یہ آیہ کریمہ دلالت کرتی ہے کہ نوحؑ کو معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کسی بھی کافر کی مغفرت کی دعا کرنا حرام ہے خواہ وہ باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ نوحؑ کو اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ کی ۳۷ویں آیت میں بتا دیا تھا کہ کافروں کی مغفرت یا اُن پر رحم، کے لیے مجھ سے سوال نہ کرنا، کہا گیا تھا وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿۳۷﴾ ۔ مگر نوحؑ کے سامنے چالیسویں آیت رہی: قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ......﴿۴۰﴾ اور آپؑ نے گمان کیا کہ وَأَهْلَكَ ' کے حکم میں بیٹا داخل ہے یوں دو امور وَلَا تُخَاطِبْنِي اور أَهْلَكَ متعارض ہوئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اُن پر واضح کر دیا کہ اِن کا بیٹا اُن لوگوں [أَهْلَكَ] میں شامل نہیں ہے جن کو کشتی میں بٹھانے کے لیے کہا گیا ہے بلکہ وہ تو اُن میں شامل ہے کہ جن کے لیے بخشش کی دعا اور گفتگو کرنے سے روکا گیا ہے، وہ تو مشرک ظالم ہے، کسی طرح بھی تیرے اہل میں نہیں ہے۔ جب کافر اور مسلمان جنگ میں آمنے سامنے ہوں تو مسلمان خونی محبت کے رشتہ کو ختم کر دیتے ہیں جیسا کہ غزوہ بدر میں

[کشتی رُکی تو] ارشاد ہوا کہ اے نوحؑ اُتر جا، ہماری جانب سے امن وسلامتی اور برکتوں کی تجھ کو نوید ہو، اور تیرے ساتھ [آنے والے لوگوں کی نسل ۳۰۱ سے اُٹھنے والی] اُمتوں کو بھی۔ اِن [آنے والی نسلوں میں] کچھ قومیں ایسی بھی ہیں جن کو ہم کچھ مدّت دنیا کی زینت بخشیں گے پھر انھیں [دینِ حق سے منہ موڑنے کے سبب] ہمارے دردناک عذاب سے واسطہ پڑے گا۔ .... مفہوم آیت ۴۸

اے محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] اِن غیب کے امور سے تم واقف نہ تھے

یہ تفصیلی سرگزشت بیان کرنے کے بعد......... جسے اُس شخص کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا جسے اللہ نے اپنی رسالت سے نوازا ہے......... اپنے نبیؐ سے فرمایا کہ کارِ نبوت میں صبر واستقامت کے ساتھ لگے رہو۔

اے محمدؐ، یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تم پر نازل کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ ہی تم ان سے واقف تھے اور نہ ہی تمھاری قوم۔ پس کارِ نبوت میں صبر واستقامت کے ساتھ لگے رہو، انجام کار کامیابی اور کامرانی تو متقیوں ہی کا حق ہے۔ .... مفہوم آیت ۴۹

قومِ عاد کے سامنے ھود علیہ السلام کی وہی دعوت تھی جو نوحؑ کی دعوت تھی

اور قومِ عاد ۳۰۲ کی جانب ہم نے اُن ہی کی قوم کے ایک فرد ھود کو نبی مقرر کیا تاکہ وہ اُن سے عِلم حاصل کریں۔ اُس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ ہی کی بندگی کرو، جس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے [رہے وہ معبود جن کو تم پوجتے ہو، وہ تو] تم نے محض جھوٹ گھڑ رکھے ہیں۔ .... مفہوم آیت ۵۰

دینی کاموں پر نبی اپنی قوم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا

دین کی دعوت اور تمام دینی کاموں پر نبی اپنی قوم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا۔ قرآن بتاتا ہے کہ ہر نبی ایک ہی دعوت دیتا ہے، دعوتِ توحید کہ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ اور ساتھ ہی یہ واضح کر دیتا ہے کہ میں اس کارِ نبوت پر، اس ابلاغ پر تم سے کسی نوع کا اجر نہیں چاہتا، نہ مال و دولت نہ

کیا، اسی طرح جب کفار پر آسمانی عذاب آئے تو نبی [لوطؑ] اپنی بیوی کو بھی نہیں بچا سکتا۔

۳۰۱ طوفان نے ساری انسانیت کو ختم کر دیا تھا، نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں اُن سے اور اُن کے ساتھ کشتی میں سوار اہلِ ایمان سے انسانی نسل کا سلسلہ اس دنیا میں باقی رہا۔

۳۰۲ "عاد" ایک معروف قبیلہ تھا جو سرزمینِ یمن میں وادی احقاف میں آباد تھا۔

بادشاہی۔۔ یہی بات اس سے قبل نوح علیہ السلام نے فرمائی تھی جو اسی سورہ میں بیان کی گئی ہے: أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ .... ﴿۲۶﴾ اور پھر کہا .... وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ .... ﴿۲۹﴾۔ داعیانِ دین اور علماء جب تک نبیوں کی سنت کے مطابق بے نیازی کو اختیار رکھتے ہیں اُن کے کام میں برکت اور اللہ کی مدد شامل رہتی ہے اور جب ہر دینی کام اور مہم میں اُجرت، مالی منفعت اور داعیان کا اپنے لیے اقتدار کا لالچ شامل ہو جاتا ہے تو للّٰہیت کے ساتھ برکت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

اے برادرانِ قوم، اس کام پر میں تم سے کوئی معاوضہ یا منفعت نہیں چاہتا، میرا معاوضہ تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم سمجھ سے کام نہیں لیتے؟ اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے [دوسرے معبودانِ باطل کی بندگی پر] معافی چاہو، پھر اسی کی طرف پلٹو، وہ تم پر آسمان سے رحمتوں کی بارش برسائے گا [جس سے زمین سرسبز و شاداب ہو گئی اور رزق میں اضافہ ہو گا۔] اور تمھاری قوت کو مزید قوت دے گا۔ بات سنو اور مجرموں کی طرح حق سے منہ نہ پھیرو۔

.... مفہوم آیات ۵۱ تا ۵۲

[اِس ساری خیر خواہی کے جواب میں] قوم کے بڑوں نے دعوت کو ٹھکراتے ہوئے کہا کہ اے ھودؑ، تُو ہمارے پاس کوئی کھلی نشانی تو لے کر آیا نہیں!، تیرے یونہی کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے، اور نہ ہی ہم تُجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ ہی کہتے رہیں گے کہ تیرے اُوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے! ھودؑ نے کہا کہ میں اللہ کی

[جس کی نشانیاں ظاہر ہیں] گواہی پیش کرتا ہوں۔ اور دیکھو کہ جنھیں تم اللہ کے سوا اُلوہیت میں شریک ٹھیراتے ہو، میں اُن سے بے زار ہوں۔ تم سب کے سب مل کر میرے خلاف جو کر سکتے ہو کر گزرو اور میرے ساتھ ذرا سی بھی رعایت نہ کرو کہ میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ کوئی جان دار ایسا نہیں جس کی زندگی اور موت کا سرا اُس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بلاشبہ میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ اگر تم اس دعوتِ حق سے منہ موڑتے ہو تو [یہ تمھاری بد نصیبی ہے،] میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا کہ جو پیغام دے کر میں تمھارے پاس بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا۔ سنو، اب میرا رب تمھاری جگہ کسی دُوسری قوم کو استخلاف [فرماں روائی] بخشے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ یقیناً میرا رب ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہے۔ .... مفہوم آیت ۵۳ تا ۵۷

قوم عاد پر ایک منحوس ہوا کا عذاب ٹوٹ پڑا

پھر جب ہمارا حکم [عذاب کا وقتِ مقرّر] ہو گیا اور جب نامبارک ہوا کی صورت میں عذاب آ دھمکا تو ہم نے اپنی رحمت سے

ھودؑ کو اور اُس پر ایمان لانے والوں کو نجات دے دی اور ایک بد ترین عذاب سے انھیں بچا لیا۔[تاریخ کی وادئ عبرت میں] یہ ہیں عاد، قومِ ھود جنھوں نے اپنے رب کی آیات سے انکار کیا، اس کے رسُولوں [۳۰۳] کی بات نہ مانی، اور اُن انسانوں کے محسنوں کے مقابلے میں ہر جبار و سرکش [فراعین، نمرود، قارون اور احبار و رھبان جیسے انسانوں] کی پیروی کرتے رہے۔ آخر کار اس دُنیا میں بھی اُن پر لعنت چپکا دی گئی اور قیامت کے روز بھی چپکی ہی رہے گی۔ سُنو! عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، سُنو! عاد دُور کر دیے گئے [اُنھیں ہلاک کر کے زمین کو پاک کر دیا گیا] وہی عاد جو ھودؑ کی قوم کے لوگ تھے۔ ....

.... مفہوم آیات ۵۸ تا ۶۰

قومِ ثمود کے سامنے صالح علیہ السلام کی وہی ایک دعوت توحید

ثمود، عادِ ثانیہ کے نام سے بھی معروف ہیں جو وادی القریٰ اور الحجر کے علاقے میں آباد تھے اِن کی جانب صالحؑ کو نبی مقرر کیا گیا، اُن کی دعوت وہی ایک نبیوں کی دعوت تھی کہ اللہ کو ایک مانو اور دین کو اُس کے لیے خالص کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں نہ آسمان والوں میں سے نہ اہلِ زمین میں سے۔

صالح علیہ السلام اپنی قوم کی اُن کے خود ساختہ معبودوں کے حوالے سے یہ غلط فہمی دور کرتے ہیں کہ اللہ تو بہت دور ہے ہماری نہیں سنتا اور یہ ہمارے داتا دست گیر، مشکل کشا معبود ہماری فوراً سن کر بات بنا دیتے ہیں۔ صالح علیہ السلام کہتے ہیں کہ یقیناً میرا رب قریب بھی ہے اور دُعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

اور قومِ ثمود کی جانب ہم نے اُن ہی کی قوم کے ایک فرد صالحؑ کو نبی مقرر کیا۔ اُس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ ہی کی بندگی کرو، جس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اِس میں بسایا ہے۔ پس تم اللہ سے [اُس کو چھوڑ کر دوسرے معبودانِ باطل کی بندگی پر] معافی چاہو، پھر اسی کی طرف پلٹو، یقیناً میرا رب قریب بھی ہے اور دُعاؤں کو قبول کرنے والا [۳۰۴] ہے۔ .... مفہوم آیت ۶۱

---

۳۰۳ گزشتہ آیات میں قرآن نے بتایا ہے کہ صرف ھودؑ ہی عاد کے پاس آئے تھے، یہاں یہ کہنے کا کہ "رسُولوں کی بات نہ مانی" قرینہ یہ ہے کہ سارے رسولوں کی ایک ہی دعوت تھی، [یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ یعنی ایک اللہ کی بندگی اور شرک سے اجتناب] چناں چہ ایک رسول کی دعوت کو ٹھکرایا اور نہ مانا تو سب ہی کی تکذیب کر دی۔

۳۰۴ ہر دور میں شیاطین لوگوں کو توحید کی شاہراہ سے ہٹا کر شرک کی تنگ و تاریک بند گلیوں میں لانے کے

سارے نبیوں کا مذاق اڑایا گیا

جب ان کے نبی صالحؑ نے اپنی قوم کے سرداروں کو اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی ترغیب دی، تو انھوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکرادیا اور آپ سے انتہائی بُرے طریقے سے پیش آئے۔

ثمود کی قوم [کے سرداروں] نے کہا اے صالحؑ، اس دعویٰ نبوت سے پہلے تو تیری شخصیت ہمارے درمیان امیدوں کا مرکز تھی، تجھے کیا ہو گیا؟ کیا تُو ہمیں اُن معبودوں کی عبادت سے روکنا چاہتا ہے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں؟ جس چیز کی طرف تُو ہمیں بُلا رہا ہے اُس کے بارے میں ہم کو سخت تشویش واضطراب ہے جس کے باعث ہم خلجان میں ہیں۔۔

مفہوم آیت ۶۲

صالحؑ نے اِن کے جھوٹ کو بیان کرتے ہوئے کہا" اے برادرانِ قوم! تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا کہ میں تو اپنے رب کی عنایت سے بیّن نورِ فطرت پر تھا [شرک سے بے زار اور بہت دور] مزید میرے اوپر انعام یہ ہوا کہ مجھے میرے رب نے وحی اور نبوت کی رحمت سے نواز دیا، تو اب اِس کے بعد بھی اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو اللہ کی گرفت پر کون میری

لیے یہ سکھاتے ہیں کہ اللہ کو بھی حکومتوں کے صدور اور وزراء پر قیاس کرو جو رعیت سے دور رہتے ہیں اُن تک ہر کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی، جن کے حضور میں کوئی درخواست پہنچانی ہو تو اُن کے قریبی لوگوں میں سے کسی کا دامن تھامنا پڑتا ہے اور پھر اگر درخواست ان تک پہنچ جائے تو وہ خود درخواست دینے والے کو جواب نہیں دیتے کسی آفیسر کے ذریعے ہی جواب ملتا ہے۔ اللہ کے حضور درخواستوں اور دعاؤں کی قبولیت اور جواب کے لیے پیروں، مجاوروں اور دیگر مذہبی منصب داروں کی خدمات نہ حاصل کی جائیں جو اوپر تک نذریں، نیازیں اور عرضیاں پہنچانے کے ڈھب جانتے ہیں تو نہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور نہ کوئی جواب ملتا ہے۔ یہی وہ غلط فہمی ہے جس نے اللہ اور بندے کے درمیان بہت سے چھوٹے بڑے معبودوں اور سفارشیوں کی فوج ظفر موج کھڑی کر دی ہے اور اِس کے ساتھ مہنت گری (Priesthood) کا وہ نظام پیدا کیا ہے جس کے توسط کے بغیر انسان پیدائش سے لے کر موت تک اپنی کوئی مذہبی رسم اِن ایجنٹوں کے سہارے کے بغیر انجام نہیں دے پاتا۔ آیہ مبارکہ میں اس جملے نے [إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ] مشرکین کے سارے سفارشیوں کے فلسفے کی جڑ کاٹ دی ہے کہ اللہ نہ تو دور ہے کہ اُس تک جایا نہ جاسکے اور نہ ہی وہ سننے سے معذور ہے، وہ سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے۔ یوں بندے کا براہِ راست اللہ سے رابطہ ہو جاتا ہے اور اللہ والوں کے نام پر اُن کے خود ساختہ ایجنٹوں کا کمیشن ہی نہیں پورا محکمہ ختم ہو جاتا ہے۔ [یہ سطور تفہیم القرآن سے سورہ ھود کے حاشیہ ۶۹ کی روشنی میں لکھی گئی ہیں]

مدد کرے گا؟ تم سوائے مجھے اور زیادہ خسارے میں ڈالنے کے کیا کر سکو گے ؟ .... مفہوم آیت ۶۳

[قوم کا صالحؑ سے پیہم معجزہ دکھانے کا مطالبہ تھا کہ پہاڑ شق ہو اور ایک اونٹنی نکل آئے، جب اللہ نے یہ دکھا دیا تو صالحؑ نے کہا:] اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے ایک نشانی ہے [۳۰۵] ۔اِسے اللہ کی زمین میں کھانے پینے کے لیے آزاد گھومنے دو [تم پر اونٹنی کے چارے وغیرہ کی ذمہ داری نہیں ہے] اِس کو بُرے ارادے [ارادۂِ قتل] سے چھونا تک نہیں ورنہ بلاتاخیر اللہ کا عذاب تمھیں آپکڑے گا۔ مگر انھوں نے اُونٹنی کو مارنے کے لیے اُس کی کوچیں کاٹ دیں۔اس حرکت پر صالحؑ نے اُن کو بتایا کہ بس اب تین دن اپنی بستی میں اور مزے کر لو، یہ خالی خولی جھوٹی دھمکی نہیں ہے! .....

.... مفہوم آیات ۶۴تا ۶۵

ایک کڑک دار دھماکے کا عذاب ہی ثمود کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھا

پھر جب ہمارا حکم [عذاب کا وقتِ مقرر] ہو گیا اور عذاب آدھمکا تو ہم نے اپنی رحمتِ خاص سے صالحؑ اور اُس پر ایمان لانے والوں کو نجات دے دی اور اُس دن کی رُسوائی و بربادی [۳۰۶] سے ان کو بچا لیا [۳۰۷] ۔ بلا شبہ تیرا رب ہی اصل قوی اور زبردست [۳۰۸] ہے۔اور ثمود کے مشرک ظالم لوگوں کو ایک کڑک دار دھماکے نے آن لیا [اور ان کے دل ٹکڑے

۳۰۵ اللہ کے حکم سے یہ طے کر دیا گیا کہ کنوئیں سے ایک دن صرف اونٹنی پانی پیے گی، پھر تمام لوگ اس کے تھنوں سے دودھ پیئں گے اور ایک دن اِن کے پانی پینے کے لیے مقرر ہو گا۔

۳۰۶ دوزخ میں جس عذاب اور رسوائی کا سامنا ہو گا اُس کو قرآن نے خوب خوب بیان کیا ہے مگر زمین پر نبیوں کی بغاوت کے نتیجے میں دورانِ عذابِ الٰہی رُسوائی اور ندامت و فریاد کی کیفیات نہیں معلوم اور نہ ہی بیان ہوئی ہیں۔ کسی قوم پر جب بھی اللہ کا آسمانی عذاب آیا تو وہ پوری قوم ہلاک کر دی گئی اور وہاں سے بچ کر کوئی نہیں نکلا جو اُس عذاب کی حالت اور مبتلائے عذاب انسانوں کی کیفیت اور جذبات و احساسات، ہائے وائے، فریادی کلمات اور مکالموں کو بتاتا۔ اس آیہ مبارکہ میں وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ کے الفاظ یہ عندیہ دیتے ہیں کہ عذابِ الٰہی صرف بربادی ہی نہیں رُسوائی بھی چپکاتے تھے۔

۳۰۷ بنی اسرائیلی روایات کے مطابق قوم کو عذاب کی اطلاع دے کر صالح علیہ السلام اللہ کے حکم سے وہاں سے ہجرت کر گئے تھے جس طرح لوط علیہ السلام نے اپنے مقام کو چھوڑ دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور کے قریب ہی ایک پہاڑی کا نام نبی صالح ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہی جگہ ہجرت کے بعد آنجناب کی جائے قیام بنی تھی۔

۳۰۸ اللہ تعالیٰ کی ذات قوت اور بالادستی کا منبع اصلی ہے، اللہ کی قوت اور بالادستی کے سامنے سارے قوی اور

ٹکڑے ہو گئے] اور وہ اپنی بستیوں میں آنِ واحد میں اس طرح اوندھے پڑے رہ گئے کہ گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سُنو! ثمود نے اپنے رب کے انکار و ناشکری پر اصرار کیا۔ سُنو! [اے اہلِ مکہ] ثمود دُور اُٹھا کر پھینک دیے گئے، مٹا دیے گئے!

.... مفہوم آیات ٦٦ تا ٦٨

ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بھتیجے لوط علیہ السلام کا سبق آموز تذکرہ

اگلی آیات میں اصل قصہ لوطؑ کا ہے ضمناً کچھ تذکرہ ابراہیمؑ کا بھی آگیا ہے مگر بہت ہی سبق آموز ہے خاص طور پر مکہ کے مخاطبین کے لیے جو اپنے اولادِ ابراہیمؑ ہونے پر فخر کرتے اور اُن کے تعمیر کردہ گھر کے متولی اور منتظم تھے۔ وہ اللہ کو مانتے تھے، کعبے کے گرد طواف کرتے، تلبیہ پڑھتے اور حج کرتے تھے۔ مگر اُنھوں نے جو بت وہاں رکھے ہوئے تھے اُن کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ یہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کی تماثیل ہیں، اِن کے آگے ڈنڈوت کرنے اور اِن کے آگے نذر و نیاز گزارنے اور قربانی کرنے سے یہ خوش ہو جاتے ہیں اور ہمارے کام بنوا دیتے ہیں کیوں کہ اللہ ہماری سنتا نہیں اور ان کی ٹالتا نہیں، رہا آخرت کا معاملہ، اوّل تو آخرت ہو گی ہی نہیں اور اگر ہو گی بھی تو یہ ہی 'اولیاء اکرام' ہماری شفاعت بھی کرا دیں گے (نعوذ باللہ)۔

اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیات میں اُن کی غلط فہمی کو دور کیا اور بتایا کہ اللہ براہِ راست سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ابراہیمؑ جیسے برگزیدہ نبی کو دیکھو، فرشتے آتے ہیں تو وہ اُنھیں پہچان بھی نہیں پاتا کیوں کہ اُسے غیب کا عِلم نہیں، فرشتے جب کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے ہیں تو اندیشہ محسوس کرتا ہے کہ کہیں دشمن تو نہیں کہ عرب روایات کے مطابق دشمن کے پاس کچھ نہیں کھایا جاتا۔ یہ سارے امور اُن کی بشریت کو واضح کرتے اور اس خیال کی نفی کرتے ہیں کہ رسول بشر نہیں بلکہ مافوق البشر کوئی مخلوق ہوتے ہیں۔ پھر اسی طرح ابراہیمؑ، لوطؑ کی بستی کو عذاب سے بچانے کی سفارش / شفاعت کرتے ہیں لیکن آپ کو اس معاملے میں اصرار کرنے سے منع کر دیا جاتا ہے اور بتا دیا جاتا ہے کہ اللہ نے لوطؑ کی بستی والوں کے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، یہ ہونی شدنی ہے۔ ایک اللہ جو مقتدر اور کائنات کا بلا شرکتِ غیرے بادشاہ ہے جب اُس کے ایک برگزیدہ نبی کی، کہ جس کی مثال دے کر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ویسی ہی سلامتی اور برکت کی دعا

زبردست کم زور ہیں۔ اللہ کی طاقت کے سامنے انسانی گروہ، تہذیبیں، حکومتیں اور سلطنتیں اور ادارے ہی بے بس نہیں طبعی، کیمیائی، حیاتیاتی اور نیوکلیائی قوتیں بھی نہایت کم زور بودی اور اُس کی پیدا کردہ ہیں اور اُس کے قابو میں ہیں، ساری چیزیں اُس کی تخلیق ہیں اور وہ کسی کی مخلوق نہیں۔

مانگتے ہیں جیسی کہ اُس پر ہوئی تھی،اُس تک کی سفارش رد کر دی جاتی ہے تو پھر آخرت میں جہاں کسی کو بولنے کی اجازت تک نہ ہو گی، کس طرح کوئی جس کی چاہے سفارش و شفاعت کر سکے گا؟ جب تک کہ اللہ اُس کی اجازت نہ دے، یوں قریش کے مزعومات اور عقائد کا فساد اُن پر واضح کر دیا اور رسولوں کی بشریت، اُن کی غیب کے اُن امور سے لاعلمی جن کا اللہ نے اُن کو عِلم نہیں دیا اور اُن کی سفارش و شفاعت کی منظوری کا محض اللہ کی اجازت اور منظوری کے ساتھ مشروط ہونا واضح ہو گیا۔

[نوحؑ، ھودؑ اور صالحؑ کی مانند ابراہیمؑ کے بھتیجے لوطؑ کی قوم بھی انکار و طغیان کے جرم میں مبتلائے عذاب ہوئی] ابراہیمؑ کے پاس ہمارے فرشتے، اسحاقؑ کی خوش خبری لیے ہوئے پہنچے[۳۰۹]۔ فرشتوں نے کہا، تم پر سلامتی ہو۔ ابراہیمؑ نے کہا تم پر بھی سلامتی ہو[۳۱۰]۔ پھر زیادہ دیر نہ لگی کہ ابراہیمؑ مہمانوں کی ضیافت کے لیے ایک بُھنا ہوا بچھڑا لے آیا اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھتے [جس طرح اُس دور کی روایات کے مطابق دشمن کے گھر کھانا نہیں کھاتے] تو وہ ان کی اصلیت کے بارے میں شک میں پڑ گیا اور دل میں ان سے اندیشہ محسوس کرنے لگا۔ کارکنانِ الٰہی [فرشتوں] نے خوف کو رفع کرنے اور اطمینان دلانے کے لیے کہا کہ ڈرو نہیں، ہم تو لوطؑ کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ .... مفہوم آیات ۶۹تا۷۰

ابراہیمؑ کی بیوی بھی جو قریب ہی کھڑی ہوئی تھیں، اطمینان پا کر ہنس دی تو ہمارے حکم پر فرشتوں نے اُسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوبؑ کی ولادت کی بشارت دی۔ وہ مارے خوشی، حیرت اور حیا سے بول اُٹھی، ہائے شامت، میرے اب اولاد ہو گی؟ .... میں خود بوڑھی اور یہ میرے شوہر بھی بُوڑھے ہو چکے یہ تو بڑی اَن ہونی سی بات ہے، فرشتوں نے کہا کہ اللہ کی قدرت اور اُس کے فیصلے پر تعجب کرتی ہو؟ ....! اے نبی کے گھر والو، اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں آپ پر، بے شک اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے!! .... مفہوم آیات ۷۱تا۷۳

۳۰۹ ابراہیم علیہ السلام کو غیب کا علم نہ تھا، وہ یہ تک نہ جان سکے کہ یہ فرشتے ہیں اور نہ ہی انھیں یہ علم تھا کہ یہ کیوں آئے ہیں

۳۱۰ نبیوں کی متعدد سُنتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے بھی پسند فرمائیں اور اُن کو جاری کیا؛ مثلاً سلیمان علیہ السلام کی سنت: بسم اللہ کا کسی بھی خط یا مسودے کے آغاز میں لکھنا، نوح علیہ السلام کی سنت: کشتی میں سوار ہوتے ہوئے بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖٮٰهَا وَمُرۡسٰىهَا اِنَّ رَبِّىۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ پڑھنا۔ اسی طرح سلام کے جواب میں سلام کہنا اور کلام کرنے سے پہلے سلام ہمیشہ ملت ابراہیمی میں رائج رہا ہے جسے خاتم الانبیاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری رکھا اور یہ مناسب قرار دیا کہ سلام کا جواب سلام کرنے سے زیادہ بلیغ ہو۔

پھر جب ابراہیمؑ کا خوف دُور ہو گیا جو مہمانوں کی آمد پر اُنھیں لاحق ہوا تھا، اور اولاد کی خوش خبری نے شاد کر دیا تو اُس کا اعتماد لوٹ آیا، اُس نے قومِ لوط کے معاملہ میں ہم سے ادب و احترام سے محبت بھرا اصرار والا جھگڑا شروع کر دیا۔ حقیقت میں ابراہیمؑ بڑا بُردبار، رقیق القلب اور ہر حال میں ہماری جانب متوجہ رہنے والا تھا۔ آخر کار فرشتوں نے اُس پر واضح کیا کہ اے ابراہیمؑ اس سے اعراض کیجیے اور جھگڑے کو چھوڑیئے، اس معاملے میں تمھارے رب کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اب ان لوگوں پر وہ عذاب ٹوٹ کر رہے گا جو کسی کے روکے نہ رکے گا اس لیے تمھارے جھگڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ...

.... مفہوم آیات ۷۴ تا ۷۶

عذاب کے فرشتوں کی لوطؑ کی بستی میں آمد

ابراہیم علیہ السلام کے گھر سے فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس خوب صورت نوجوان لڑکوں کی شکل میں اُن کی بستی میں پہنچ گئے، لوط علیہ السلام اللہ کے اتنے بڑے برگزیدہ نبی ہیں مگر عِلم غیب نہیں رکھتے لہٰذا نہ پہچان سکے کہ یہ فرشتے ہیں اور نہ معلوم ہوا کہ یہ کس مقصد کے لیے آئے ہیں۔ بستی والوں کی طرف سے زیادتی کے اندیشے سے بہت فکر مند ہوئے۔ شوقِ خبیث کے دل دادہ بستی کے لوگ جب اِن کے گھر کے سامنے جمع ہو گئے تو اُنھوں نے اُنھیں نصیحت کی کہ "میری قوم کے لوگو، میری بیٹیاں جو ہیں، وہ ہی تمھارے لیے فطری طور پر موزوں تر ہیں"۔

نبی اپنی پوری قوم کو ایک باپ کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور قوم کی ساری خواتین اُس کے لیے بیٹیوں جیسی ہوتی ہیں، یہاں بیٹیوں کا لفظ نسبی تعلق کے لیے نہیں بلکہ نبی اپنی اُس خیر خواہی کے تعلق کے اظہار کے لیے ادا کر رہا ہے جو خیر خواہی وہ قوم سے رکھتا ہے، اُنھیں عِلم تھا کہ بیٹیاں ان کا مقصد نہ تھیں اور نہ اُن میں اِن کا کوئی حق تھا۔ لوط علیہ السلام کا اصل مقصد اِس منکر فعل کی قباحت کو واضح کرنا تھا، اس مقصد کے لیے یہ بات یوں کہی گئی تھی۔ یہ اسی طرح ہے جیسے سلیمانؑ نے تحقیق حق کی خاطر اُن دو عورتوں کے سامنے جو ایک بچے پر ماں ہونے کی دعوے دار تھیں، یہ تجویز پیش کی کہ متنازعہ فیہ بچے کو دو ٹکڑوں میں کاٹ کر برابر تقسیم کر دیا جائے۔ وہ ہرگز بچے کو دو ٹکڑے نہیں کرنا چاہتے تھے۔

پھر جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو [اُن کے خوب صورت لڑکوں کی شکل میں ہونے اور ہم جنس پرست قوم کے خوب معلوم ذوقِ خبیث کے سبب] اِن مہمانوں کی آمد لوط کو بڑی گراں گزری اور دل تنگ ہوا اور بے ساختہ

زباں سے ادا ہوا کہ آج کا دن تو بڑی مصیبت کا ہے۔ اِن خوب صورت مہمانوں کے آنے کی خبر جوں ہی عام ہوئی اُس کی قوم جو بدکاریوں کی پہلے ہی سے خوگر تھی، جھپٹی ہوئی اُس کے پاس پہنچی۔ لوطؑ نے ان سے کہا میری قوم کے لوگو! میری بیٹیاں جو ہیں، وہ ہی تمھارے لیے فطری طور پر موزوں تر ہیں۔ اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رُسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی سمجھ دار آدمی نہیں؟ وہ بولے کہ تجھے خوب معلوم ہے کہ اِن تیری بیٹیوں میں ہمارے لیے کوئی لطف اور رغبت نہیں، اور تجھے یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم کیا پسند کرتے ہیں۔ لوطؑ کو شدید قلق ہوا اُنھوں نے کہا کہ کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمھیں سیدھا کر دیتا، یا کوئی مضبوط پشت پناہی ہوتی کہ اس کی پناہ لیتا۔ .... مفہوم آیات ۷۷تا ۸۰

نبی کو اتنا ستایا گیا کہ وہ عذاب کے لیے جلدی کرنے لگا

جب گھر کے باہر بدمعاشوں کا شور بڑھ گیا اور لوط علیہ السلام کی پریشانی بھی فزوں تر ہوتی گئی تو فرشتوں نے بات کو کھول دیا کہ وہ تو فرشتے ہیں اور یہ شریر اِن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ وہ اللہ کے حکم سے اس بستی پر عذاب نازل کرنے کے لیے آئے ہیں اور اِن بستی والوں کی تباہی کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے۔ قوم کی سرکشی سے عاجز، لوط علیہ السلام کو خواہش تھی کہ بستی پر عذاب نازل ہونے میں اب مزید کوئی تاخیر نہ ہو، چناں چہ اُن سے کہا گیا کہ اب صبح میں دیر ہی کتنی ہے!

بین السطور، اہلِ مکہ کو باور کرایا جارہا ہے کہ اللہ کا خوف کرو، نبی کا دل اتنا نہ دُکھاؤ اور اُس کو اتنا نہ ستاؤ کہ وہ جو تمھاری بخشش کے لیے ہر دم دُعا کرنے والا ہے، تمھاری ناقدری سے اِس مقام پر آجائے کہ عذاب کے لیے جلدی کرے!

جب اُن کے معاملے کی انتہا ہوگئی اور کرب شدید ہوگیا تو فرستادوں نے کہا کہ اے لوطؑ، فکر نہ کرو ہم تو تیرے رب کی جانب سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، یہ لوگ تجھ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ پروگرام یہ ہے کہ رات تھوڑی باقی ہو تو تُم اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے نِکل جانا مگر تیری بیوی ساتھ نہیں جائے گی۔ خبردار تم میں سے کوئی بھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ تیری بیوی پر بھی وہی مصیبت مقدّر ہے جو تیری پوری قوم پر آنی ہے۔ اِن بستی والوں کی تباہی کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے، اور اب صبح میں دیر ہی کتنی ہے!'' پس جب ہمارا عذاب آیا تو ہم نے اس بستی کو اُلٹ پلٹ کر کے رکھ دیا اور اس پر لگاتار پکی مٹّی کے پتھر برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے پاس ایک ایک ظالم کے لیے نشان زدہ تھا۔ اور وہ بستی ظالموں سے کچھ دُور نہیں! .... مفہوم آیات ۸۱تا ۸۳

شعیب علیہ السلام اللہ کی بندگی کے ساتھ امورِ کاروبار کی اصلاح کی آواز اُٹھاتے ہیں

مدین ایک معروف قبیلہ تھا جو فلسطین کے زیریں علاقے مدین میں آباد تھا، یہاں اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو نبی مقرر کیا۔ اُنھوں نے قوم کو ایک الٰہ واحد کی بندگی کی دعوت دی اور ساتھ ہی اُن کے درمیان پھیلی ہوئی کاروباری بددیانتی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ انصاف کے ساتھ پُورا ناپو اور تولو اور لوگوں کی چیزوں کو اُنھیں دینے میں حق تلفی نہ کرو۔ قوم نے صاف جواب دیا کہ ہم ایسا نہیں کریں گے بلکہ ہم اپنے اُمورِ کاروبار اور اموال کے بارے میں جو چاہیں گے کرتے رہیں گے، کیوں کہ یہ ہمارے اموال ہیں، اِن میں تصرف کے طریقے بتانے کا تمھیں کوئی حق نہیں!

من جملہ بہت سارے اعتراضات کے سردارانِ قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کی پیروی میں تو ہم بے بس ہو جائیں گے، کمائیں گے ہم اور یہ ہمیں بتائے گا کہ مال کس طرح خرچ کریں، عجیب بات ہے! بڑی ہی عجیب بات ہے! شعیب علیہ السلام کی بعثت اور دعوت کے واقعے سے اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی باتیں بنانے والی ایک مجرم قوم کی سرگزشت سامنے رکھ دی۔

> اور مدیَن والوں کی جانب ہم نے اُن ہی کی قوم کے ایک فرد شعیبؑ کو نبی مقرر کیا۔ اُس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو، اللہ ہی کی بندگی کرو، جس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور نہ کم ناپو اور نہ ہی کم تولو بلکہ ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ میں تم کو خوش حالی میں پاتا ہوں [اور کفرانِ نعمت نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے یہ نعمتیں واپس لے لے]، مگر مجھے گھیرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ اور اے میری قوم، انصاف کے ساتھ پُورا ناپو اور تولو اور لوگوں کی چیزوں کو اُنھیں دینے میں حق تلفی نہ کرو اور زمین میں فساد کے عَلَم بردار نہ بنو۔ دیانت داری کے ساتھ اللہ کا دیا ہوا منافع ہی تمھارے لیے کافی ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور میں تو سمجھا ہی سکتا ہوں تمھارے اعمال کا محافظ اور اُن پر کوئی نگران [بہر طور اصلاح کا ٹھیکے دار] نہیں ہوں۔ .... مفہوم آیات ۸۴ تا ۸۶

اہلِ مدین موجودہ زمانے کے جاہلیت کے مارے دانش وروں اور سردارانِ قریش کی مانند باتیں بنانے میں بہت تیز تھے۔ یقیناً جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے درمیان اِن آیات مبارکہ کی تلاوت کی ہو گی تو طعنوں، شاعری اور لفّاظی کے غباروں کی ہوا خوب نکلی ہو گی۔ آج بھی اگر ہم دعوتِ دین اور غلبہ دین کی مہم میں اوّلین حیثیت قرآن لوگوں تک پہنچانے کو دیں تو نادان جاہلیت کے سارے اعتراضات کا جواب یہاں مل جائے گا۔

- کہ ہم غیر اللہ سے دعائیں اور مدد مانگنا چھوڑ دیں!
- کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف بھی نہیں کر سکتے؟

یہ دو سوالات بہت ہی اہم ہیں، اہلِ مدین نے تو یہ سوالات شعیب علیہ السلام سے کیے ہی تھے، اہلِ مکہ بھی اسی انداز کی باتیں کرتے تھے اور، اور موجودہ دور میں بھی اغوائے شیطانی کا شکار بہت سے کلمہ گو سیکولر 'دانش ور'، دین کے علم برداروں سے اسی طرح کے فضول سوالات کرتے ہیں۔ اِن سوالات کا صحیح جواب کیا ہے؟ صحیح جواب یہی ہے کہ نماز میں ہم اللہُ اکبر کہہ کر داخل ہوتے ہیں، یہ تکبیر ہمیں اللہ کی کبریائی کا ایسا درس دیتی ہے کہ پھر ہر کبریائی اللہ کی کبریائی کے مقابلے میں ہمارے قلوب سے نکل جاتی ہے۔ جب ہم إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتے ہیں تو اللہ کے سوا کسی کو بھی داتا، دست گیر اور مشکل کشا نہیں جانتے اور نہ ہی کسی غیر اللہ سے کسی معاملے کے لیے مدد کی دعا کرتے ہیں اور غائبانہ پکارتے ہیں۔

دوسرے سوال کا جواب یہی ہے کہ ہم اپنے مال کو حلال ذرائع سے کمانے کے بعد صرف حلال کاموں میں خرچ کرتے ہیں، بے جا اسراف سے پرہیز کرتے ہیں، جمع جوڑ پر سالانہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ،تاہم بہر طور مال جمع کرنے کو ناپسند کرتے اور مال کی محبت کو گناہ جانتے، زائد از ضرورت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اِن پابندیوں کے ساتھ اپنے مال میں تصرف کرتے ہیں۔ نماز میں پڑھا جانے والا قرآن ہمیں یہی سکھاتا ہے۔ ہر دور میں جاہلیت کا نزلہ نماز پر ہی گرتا ہے اور ہر دور میں اللہ کے نبی اور اصلاح کے علم بردار اہلُ اللہ نماز اور صبر ہی کو ڈھال بناتے رہے ہیں۔ باطل قوت کو مؤمنین کی نماز اور اُن کے صبر واستقامت ہی سے زیادہ خوف آتا ہے۔

انھوں نے تمسخر کرتے ہوئے جواب دیا کہ اے شعیبؑ، کیا تیری نماز [311] تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم اُن ساری ہستیوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے؟ یا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق لینے دینے کا اختیار تک نہ رکھتے ہوں!! کیا ہمارے درمیان بس تُو ہی ایک بُردبار و باوقار اور ہدایت یافتہ آدمی رہ گیا

---

۳۱۱ اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاءِ سابقین کی شریعت میں نماز مشروع تھی۔ نیز یہ کہ نماز تمام اعمال سے افضل ہے۔

[آیہ ۸۷] شعیبؑ نے کہا" اے برادرانِ قوم، تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا کہ میں تو اپنے رب کی عنایت سے بیّن نورِ فطرت پر تھا [شرک سے بے زار اور بہت دور] مزید میرے اوپر انعام یہ ہوا کہ مجھے ایک رزق حسن بھی اپنی طرف سے عطا فرمادیا [یعنی مجھے میرے رب نے وحی اور نبوت کی رحمت سے بھی نواز دیا تو اس نوازشِ خاص کے بعد میں تمھاری شرکیہ گمراہیوں اور معاشی حرام خوریوں میں تمھارا شریکِ حال کیسے ہو سکتا ہوں!]۔ اور میری صداقت کی یہ دلیل کافی ہے کہ میں ہر گز یہ نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں [۳۱۲]۔ میں تو بس اللہ ہی کی توفیق سے، جتنی مل جائے، بساط بھر اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ اِس بڑے کام کا بیڑہ اُسی کے بھروسے پر اُٹھایا ہے اور اُس کے کافی ہونے پر مجھے اعتماد ہے اور میں ہر معاملہ میں اسی کی طرف رُجوع کرتا ہوں۔ .... مفہوم آیت ۸۸

شعیب علیہ السلام قوم کی حماقت اور دیدہ دلیری پر ڈرتے ہیں کہ کہیں اِن پر سابقہ عذاب رسیدہ قوموں کی مانند اللہ کا عذاب نہ ٹوٹ پڑے، وہ بہت درد اور دکھ سے کہتے ہیں کہ اے میری قوم کے لوگو، اپنے پروردگار سے معافی مانگو اور پھر اُسی کی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب نہایت رحم فرمانے اور بڑی محبت کرنے والا ہے۔

اے میری قوم، میری دعوت کے مقابلے میں تمھاری مخالفت کہیں اس بات کا باعث نہ بن جائے کہ آخر کار تم پر بھی ویسا ہی عذاب ٹوٹے جیسا نوحؑ یا ھودؑ یا صالحؑ کی قوم پر ٹوٹا تھا۔ اور لوطؑ کی قوم [بلحاظِ زمانی و مکانی مدت کے] تو تم سے بعید بھی نہیں ہے۔ دیکھو! اپنے پالن ہار و پروردگار سے معافی مانگو پھر اس کی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب نہایت رحم فرمانے اور بڑی محبت کرنے والا ہے۔ .... مفہوم آیات ۸۹ تا ۹۰

جاہلیت کی ماری قوموں کی مانند اہلِ مدین بھی بدنصیب نکلے، جس طرح سے آج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر بنو ہاشم آمادہ ہیں اور منکرین ہمت نہیں پا رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ ڈالیں اسی طرح اہلِ مدین بھی یہ سمجھ رہے تھے کہ شعیبؑ کا قبیلہ اُن کی پشت پر ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ تمام اہلُ اللہ کی پشت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کا تعلق تو اُس وقت کی ایک محکوم قوم بنی اسرائیل سے تھا اور وہ حکم راں قوم کے ایک آدمی کے قتل کے مجرم بھی تھے لیکن اللہ نے اُنھیں ایک پوری منظم حکومت سے ٹکرا دیا اور وہ اُن کا بال بھی بیکا نہ کر

---

۳۱۲ یہ آیۃ کریمہ مطالبہ کرتی اور سکھاتی ہے کہ داعی اپنی دعوت کا نمونہ ہو، وہ جو کہے سب سے پہلے وہ خود اُس پر عمل کرنے والا اور کر کے دکھانے والا ہو۔ جس کام سے وہ لوگوں کو رُوکتا ہو وہ خود بھی اُس کام سے رُکے۔ جیسے شعیب علیہ السلام نے فرمایا وَمَآ أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَآ أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ..... میں ہر گز یہ نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔

سکی [۳۱۳]۔ الغرض جب شعیب علیہ السلام نے دیکھا کہ اُن کی قوم اُن کو اِن کے قبیلے کے حوالے سے معافی کا طعنہ دے رہی ہے تو اُنھوں نے کہا: بھائیو، کیا میرا خاندان و قبیلہ تم کو اللہ سے زیادہ زبردست و قوت والا محسوس ہوتا ہے، کچھ تو اللہ کا خوف کرو!

وہ شعیبؑ کے وعظ و نصیحت سے بہت زچ ہوئے اور اُن سے کہا کہ اے شعیبؑ، تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔اور یہ بات ہمیں خوب معلوم ہے کہ تُو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے، تیرا شمار اشراف اور رؤساء میں نہیں، تیرا خاندان اور قبیلہ تیری پشت پر نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے، ہماری نگاہ میں تیری کوئی قدر اور عزت نہیں ہے۔ شعیبؑ نے کہا کہ بھائیو، کیا میرا خاندان و قبیلہ تمھارے نزدیک اللہ سے زیادہ قوی ہے کہ تم نے اللہ کو بالکل پسِ پُشت ڈال دیا [۳۱۴]؟ جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہے [۳۱۵]۔ .... مفہوم آیات ۹۱تا۹۲

شعیب علیہ السلام منکرین کو عذاب کی دھمکی دیتے ہیں

اور جب کفار نے اُن کو بہت تنگ کر کے اُن کو بے بس کر دیا تو شعیبؑ نے اُن سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو، میری بات نہیں سنتے تو پھر تم اپنے طریقے پر چلتے رہو، اور میں اپنے طریقے پر عمل کرتا رہوں گا، تمھیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رُسوا کر دینے والا عذاب ٹوٹتا ہے اور کون اپنی بات میں جھوٹا ہے۔ایک انجام کے تم منتظر رہو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں [۳۱۶]۔ پھر جب ہمارا حکم [عذاب کا وقت مقرر] ہو گیا اور عذاب آدھمکا تو ہم نے اپنی رحمتِ خاص

---

۳۱۳ ہماری آنکھوں کے سامنے کا واقعہ یہ ہے کہ سیّد مودودیؒ کو فوجی عدالت نے سزائے موت سُنائی اور کہا کہ مولانا آپ چاہیں تو سزائے موت کے خلاف ایک ہفتے کے اندر رحم کی اپیل کر سکتے ہیں۔" مولانا نے نہایت باوقار انداز میں جواب دیا "مجھے کسی سے کوئی اپیل نہیں کرنی ہے۔ زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں آسماں پر ہوتے ہیں اگر وہاں میری موت کا فیصلہ ہو چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت سے نہیں بچا سکتی اور اگر وہاں سے میری موت کا فیصلہ نہیں ہوا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی" ۔یہ الفاظ امر ہو گئے، اور سیّدؒ کو وہ پھانسی نہ دے سکے۔

۳۱۴ وما قدر الله حق قدره۔

۳۱۵ وہ تمھیں ڈھیل دے رہا ہے، تمھیں اتنی ہی بغاوت کا موقع ہے جتنی وہ اجازت دے رہا ہے، اللہ تمھاری آزمایش کر رہا ہے، وگرنہ تمھاری طاقت نہ تھی کہ اُس کی نافرمانی کر پاتے۔

۳۱۶ یہ ایک نبی کی دعوت کے دوران وہ مرحلہ ہے جب اتمامِ حجت ہو جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے دور

سے شعیبؑ کو اور اُس پر ایمان لانے والوں کو نجات دے دی۔ اور قومِ مدین کے مشرک ظالم لوگوں کو ایک کڑک دار دھماکے نے آن لیا اور وہ اپنی بستیوں میں آنِ واحد میں اس طرح اوندھے پڑے رہ گئے کہ گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ ایسا لگتا تھا گویا اُنھوں نے کبھی نعمتوں سے فائدہ ہی نہیں اُٹھایا تھا۔ سُنو! مدیَن والے بھی دُھتکار دیے گئے جس طرح ثمود پھینکے گئے تھے۔.................................. مفہوم آیات ۹۳تا۹۵

اور موسیٰؑ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور نبوت کی کھُلی سَنَد ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے حلقہ سلطنت کے مقتدر گروہ کی جانب بھیجا، مگر اُس گروہ نے موسیٰؑ کی بات نہ مانی اور فرعون کے احکام کی پیروی کی حالاں کہ فرعون کا حکم اچھا نہ تھا۔[۳۱۷] قیامت کے روز وہ اپنے متبعین کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انھیں آتش جہنم میں جا اُتارے گا۔ کیسی بری منزل ہے یہ جہاں یہ لوگ وارد ہوں گے! اور ان لوگوں پر دُنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پڑے گی۔ کیسا بُرا صلہ ہے یہ، جو اُن کو عطیہ کیا گیا!.................................. مفہوم آیات ۹۶تا۹۹

یں جب سورۃ الکافرون نازل ہوئی، کچھ ایسی ہی صورتِ حال تھی کہ جس میں شعیبؑ نے کہا کہ۔ "تم اپنے طریقے پر چلتے رہو، اور میں اپنے طریقے پر عمل کرتا رہوں گا، تمھیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلیل کر دینے والا عذاب ٹوٹتا ہے۔"

۳۱۷ صنعتی انقلاب سے قبل تک اس مقتدر گروہ میں عام طور پر صاحبان اقتدار، مال و زر اور جبہ و دستار رہے ہیں، یہی صورتِ حال مصر میں فرعون کے دور میں بھی تھی۔ آج کے پر پیچ معاشرے میں اِن تینوں گروہوں کا تناسب تبدیل ہو گیا ہے اور مزید متعدد گروہ اس میں شامل ہو چکے ہیں۔ جو داعیانِ دین معاشرے کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں اُنھیں اِن گروہوں اور اداروں کی شناخت ضروری ہے تاکہ اِن تک دین کی دعوت پہنچائی جاسکے اور اقتدار کے اُس سر چشمے کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جاسکے جس کی درستگی سے دو جہانوں میں امن و سلامتی ممکن ہے۔ موسیٰؑ نے مقتدر گروہوں ہی کو اللہ کے دین کی دعوت دی تھی، اُنھی گروہوں کے روّیے کا اس آیہ مبارکہ میں ذکر ہے۔ آج کے دور میں اِن گروہوں میں سے چند گروہ اُن افراد کے بھی ہیں جو مختلف ممالک میں، کانگریس، پارلی منٹس، ملٹری، بیورو کریسی، عدلیہ، مذہبی معیشت، سیاسی جماعتیں، ایجنسیز، بینکس، میڈیا، تعلیم و تحقیق کے اداروں کو چلا رہے ہیں یا اُن پر قابض ہیں۔ مختلف مسلمانوں کے معاشروں میں غلبہ اسلام [جسے مغرب پالیٹیکل اسلام کہتا ہے] کے عَلم برداروں نے اپنی ساری توجہ صرف پارلی منٹس تک پہنچنے یا اُس کی اصلاح پر مرکوز کی اور باقی تمام اداروں کی اصلاح سے صرفِ نظر رہا، نتیجتاً باطل کو دیگر تمام اداروں میں غلبہ حاصل رہا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کے ساتھ اِن کی قوموں کے واقعات بیان کرنے کے بعد اپنے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے فرمایا کہ یہ چند عذاب رسیدہ بستیوں کی سر گزشت ہے، جو آپ قریش مکہ کو سُنائیں اور ڈرائیں۔ چہ عجب، اس سے پہلے کہ عذاب نمودار ہو یہ اپنی روش تبدیل کرلیں !

یہ چند بستیوں کی سر گزشت ہے جو ہم تمھیں سُنا رہے ہیں تاکہ آپ اِس کے ذریعے سے اپنی قوم کو ڈرائیں۔ ان میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کچھ فنا کے گھاٹ اتر گئیں۔ اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ بستی والوں نے خود اپنے اوپر شرک اور عناد کے ذریعے سے ظلم کیا۔ اور جب اللہ کا فرمانِ عذاب آیا تو ان کے وہ معبود [بناوٹی داتا، دستگیر، مشکل کشا اور حاجت روا] جنھیں وہ اپنی مُرادوں کے لیے اور مشکلات کی دوری کے لیے اللہ کو چھوڑ کر پُکارا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آسکے اور انھوں نے ہلاکت و بربادی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ .... مفہوم آیات ۱۰۰ تا ۱۰۱

قریش کو عذاب کی دھمکی

شرک و جاہلیت کی ماری [ظالم] بستیوں پر گرفت کے باب میں یہی تیرے رب کی سنت ہے کہ وہ جب بھی کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر فی الواقع اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بستیوں اور قوموں کی تباہی کی اس تاریخ میں ایک نشانی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو عذابِ آخرت کا خوف کرے وہ دن تو روزِ جزا ہو گا جس میں سارے لوگ جمع ہوں گے اور وہ حاضری کا دن ہو گا۔ ہم قیامت کے لانے میں کچھ بہت زیادہ تاخیر نہیں کر رہے ہیں، بس ایک مقررمُدّت کے لیے اُسے ٹال رہے ہیں۔ .... مفہوم آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴

قیامت کی یاد دہانی

جب وہ دن آئے گا اور تمام مخلوق اکٹھی ہو گی تو کسی کو بھی اللہ کی اجازت کے بغیر بات کرنے کی مجال نہ ہو گی، پھر کچھ لوگ اس روز نامُراد ہوں گے اور کچھ بہترین نصیبے والے۔ پس جو بدبخت ہوں گے آتشِ جہنم میں جائیں گے جہاں گرمی اور پیاس کی شدت سے وہ ہانپیں گے اور دھاڑیں گے اور اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ اُس عالم کے زمین و آسمان قائم ہیں، اِلّا یہ کہ تیرا پروردگار کچھ اور چاہے۔[۳۱۸] بے شک تیرا رب پُورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ .... مفہوم آیات ۱۰۵ تا ۱۰۷

رہے وہ لوگ جو نیک بخت قرار پائیں گے، تو وہ جنّت میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک اُس عالم کے زمین و

۳۱۸ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ یہ مدت جہنم میں داخل ہونے سے قبل کی ہے۔

آسمان قائم ہیں، اِلّا یہ کہ تیرا پروردگار کچھ اور چاہے۔ وہاں تو انعامات اور نوازشوں کا ایک سلسلہ ہو گا جو کبھی منقطع نہ ہو گا۔ پس اے نبیؐ، تو ان مشرکین کے معبودانِ باطل کی طرف سے کسی شک میں نہ رہ جن کی یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں۔ یہ تو بے سمجھے بوجھے اُسی طرح پُوجا پاٹ کیے جا رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے باپ دادا کرتے رہے ہیں۔ اور دنیا میں ہم ان کا حصہ بغیر کسی کمی کے دیں گے۔ مفہوم آیات ۱۰۸ تا ۱۰۹

اختتام کلام پر منکرین کو پھر دھمکی

ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تو اُس کے کتابِ الٰہی ہونے میں اسی طور اختلاف کیا گیا تھا جس طرح آج قرآن کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اگر تیرے رب کی طرف سے ان انکاریوں کے انجام کے بارے میں ایک فیصلہ پہلے ہی نہ کر لیا گیا ہوتا تو اِن کی جسارتِ انکار اور ہٹ دھرمی کا مزا انھیں ابھی چکھا دیا جاتا کہ یہ لوگ قرآن کے بارے میں ایسے شکوک میں مبتلا ہیں جو انھیں الجھا رہا ہے۔ اور یقینی طور پر جانا جائے کہ تیرا رب انھیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ [اس روّیے کی پوری پوری سزا] دے کر رہے گا، یقیناً وہ ان کی سب حرکتوں سے باخبر ہے [پس مشرکین کے انجام سے بے نیاز ہو کر تم اپنا کام کیے جاؤ]۔

مفہوم آیات ۱۱۰ تا ۱۱۱ ....

اہلِ ایمان کو بنی اسرائیل کی مانند اختلاف اور نافرمانی سے بچنے کی ہدایت

اللہ تعالیٰ نے یہود کی عدمِ استقامت کا ذکر کرنے کے بعد، جو ان کے اختلاف و افتراق کا باعث تھی اپنے نبی محمد ﷺ اور اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں، اس شریعت کی پابندی کریں جو اُن پر عائد کی گئی ہے اور اِن اعتقاداتِ صحیحہ کو اپنا عقیدہ بنائیں جو اللہ تعالیٰ نے وحی کیے ہیں، استقامت کے ساتھ دائمی طور پر اسی عقیدے اور اسی شریعت پر عمل پیرا رہیں اور سرکشی اختیار نہ کریں، اس آیت میں ظالم کی طرف میلان رکھنے سے بھی روکا گیا ہے۔ فرمایا:

اے نبیؐ! تم اور وہ بھی جنھوں نے تمھارے ساتھ کفر سے توبہ کی اور ایمان لائے ہیں راہِ راست پر اس طرح ثابت قدم رہیں جس طرح کہ تمھیں حکم دیا گیا ہے۔ اور کجی اختیار کر کے بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو [طغیانی نہ دکھاؤ]۔ بلاشبہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی نگاہ میں ہے۔ ان مشرکین کی طرف [بقائے باہمی کے لیے اِن کے اوہام و گمان کی طرف] ذرا نہ التفات دکھانا ورنہ آگ کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمھیں کوئی ایسا حامی اور سرپرست نہ ملے گا جو اللہ کی پکڑ سے تمھیں بچا سکے اور کہیں سے بھی تمھاری مدد نہ ہو سکے گی۔ .... مفہوم آیات ۱۱۲ تا ۱۱۳

اللہ تعالیٰ کامل طور پر نماز کو قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا

[جس استقامت کی تاکید کی گئی ہے، اُس کے لیے ضروری ہے کہ] نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر [صبح و شام] اور کچھ رات گزرنے پر[319]۔ در حقیقت انسان کی نیکیاں اُس سے برائیوں کو دور کر دیتی ہیں[320]، یہ ایک نصیحت ہے، نصیحت کو قبول کرنے پر آمادہ اللہ والوں کے لیے۔ اس کشمکشِ حق و باطل میں جمے رہو، اللہ ایسی حسین نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔... مفہوم آیات ۱۱۴ تا ۱۱۵

پھر کیوں نہ اُن لوگوں میں جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں ایسے اہلِ حق [موحدین] موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد [شرک] برپا کرنے سے روکتے[321]؟ ایسے لوگ نکلے تو............ مگر بہت کم، جن کو ہم نے ان فسادیوں [دنیا پرست مشرکین] کے درمیان نجات بخشی[322]، ورنہ ظالم [مادہ پرست جاہل] لوگ[323] تو اُسی عیش میں پڑے رہے جن کے سامان انھیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم تھے۔ تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ ایسی بستیوں کو تباہ و برباد کر دے

---

۳۱۹ بہت واضح ہے کہ دن کے دونوں 'سروں پر' سے مراد صبح اور شام کی نمازیں ہیں، اور کچھ رات گزرنے سے مراد عشا کا وقت بھی ہو سکتا ہے اور تہجد کا بھی۔ یہ آیات اس زمانے کی ہیں جب نماز کے لیے ابھی پانچ وقت مقرر نہیں کیے گئے تھے۔ معراج سے قبل ابتدائی دور نبوت میں نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سمیت تمام مؤمنین سے صبح و شام کی دو نمازوں کی ادائیگی اور خاص نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے قیام اللیل کا حکم بہت معلوم اور معروف ہیں۔ معراج کا واقعہ پیش آنے میں ابھی کچھ وقت باقی ہے جس میں پنج وقتہ نماز فرض ہوں گی۔ تاہم قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دن کے دونوں سروں طَرَفَيِ النَّهَارِ میں یعنی دن کے ابتدائی اور آخری حصے میں۔ اس میں فجر، ظہر اور عصر کی نماز شامل ہے۔ اور رات کے کچھ حصوں وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ میں مغرب اور عشا کی نماز داخل ہے۔ تہجد کی نماز بھی اس میں شامل ہے۔ واللہ اعلم

۳۲۰ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ کا ایک عام فہم مطلب یہ کہ انسان کی نیکیاں اُس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں یا نیکیوں کی عادت برائیوں کی عادت سے نجات دلاتی ہے [جیسے سچ بولنا جھوٹ بولنے سے، دیانت داری، بد دیانتی سے، نماز کی پابندی غفلت سے، اللہ کی یاد سے غفلت کے جرم سے، بے حیائی کے کاموں سے اور ناپاک رہنے سے]، مزید یہ بھی کہ برائی کے جواب میں نیکی کرنے سے برائی دفع ہوتی ہے۔

۳۲۱ یہ نوحہ ہے مکہ و حجاز میں آباد بنی اسماعیل کی اُس گمراہی پر جو دورِ جاہلیت میں پھیلی ہوئی تھی۔

۳۲۲ یہ تحسین ہے بنو اسماعیل کے اُن توحید پرست حنفاء کی کہ جو شرک سے بچے رہے، جیسے زید یا ورقہ بن نوفل۔

۳۲۳ یہ سردارانِ قریش ہیں جو کفر پر جم گئے اور میدانِ بدر میں کھیت گئے۔

جہاں کے باسی اصلاح میں سر گرم ہوں۔.............................. مفہوم آیات ۱۱۶تا۱۱۷

بے شک اگر تیرا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی طریقے پر چلنے والی امت بنا چھوڑتا مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے۔ سوائے ان کے جن پر تیرا رب رحم فرمائے اور اسی آزادیِ انتخاب واختیار کے صحیح استعمال کے امتحان کے لیے انسانوں کو اللہ نے پیدا کیا اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ مفہوم آیات ۱۱۸تا۱۱۹

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ میں انبیائے کرام کے حالات بیان فرمائے، تو اب سورہ کے اختتام پر، یاد دہانی کے لیے اور ذہنوں میں بہ خوبی استحضار کے لیے اِن سر گزشتوں میں پنہاں حکمت کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ حق و باطل کی کش مکش کے یہ واقعات اہلِ ایمان کو اللہ کی پشت پناہی اور غلبہ حق کا یقین دلاتے ہیں، جو لوگ اب تک ایمان نہیں لائے ہیں مگر اُن کے قلوب اور ضمیر میں کچھ جان باقی ہے تو یہ سر گزشتیں اُن کے کم زور قلوب و ضمیر کو طاقت ور بناتی ہیں اور باطل کے مقابلے میں اہلِ حق کی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کام یابی کا یقین پیدا کرتی ہیں۔ یہ سر گزشتیں دونوں گروہوں میں تاریخ کے دورانیے میں جاری اس جنگ کا ادراک پیدا کرتی ہیں، جس کے نتیجے میں زندہ قلوب ہل جاتے اور اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں اور جہالت اور انانیت کے مارے اور مزید اڑ جاتے ہیں اور شامتِ اعمال یہ کہ عذاب کے لیے جلدی مچانے لگتے ہیں۔

اور اے محمدؐ، یہ پیغمبروں کی سر گزشتوں کا ہر واقعہ جو تمھیں سنا رہے ہیں حق پر جمنے کے لیے تمھارے دل کو تقویت دیتا ہے اور ان واقعات کے ذریعے تمھارے پاس حق آیا اور مومنوں کے لیے ان سر گزشتوں میں نصیحت اور یاد دہانی ہے۔ رہے وہ جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں، ان سے کہہ دو کہ تم اپنی کج روی پر چلو ہم اپنی روش پر چلتے رہیں گے۔ اب نتیجے اور انجام کا تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں [۳۲۴]۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی چھپا ہوا ہے اللہ ہی کے علم اور قبضۂ قدرت میں ہے اور سارے معاملات اُسی کی طرف لوٹتے اور انجام پذیر ہوتے ہیں پس اے نبیؐ [باطل سے اس پنجہ آزمائی میں اطمینان کے ساتھ] اُسی اللہ کی بندگی کرو اور اسی پر بھروسہ کرو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے تیرا رب بے خبر نہیں ہے۔

مفہوم آیات ۱۲۰تا۱۲۳.............................. ☆☆☆☆☆

---

۳۲۴ ٹھیک ۱۲سال بعد یہ انتظار ختم ہوا اور نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے تلاوت فرمارہے تھے
وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا اور روح الامین یہ بتانے تشریف لائے ہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے..... اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ...... آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے۔

ضروری نکات، سوالات و یادداشتیں